المرشد

ماھنامہ چکوال

اللہ
رسول
محمد

مارچ
2004ء

قد أفلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

"ڈاکٹر عبدالقدیر نے ایٹمی ٹیکنالوجی منتقل کرنے کا اعتراف نہیں کیا، امیر محمد اکرم اعوان"

ماہنامہ المُرشد چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مارچ 2004ء محرم / صفر 1425ھ

جلد نمبر 25 ✻ شمارہ نمبر 8

مدیر ——— چودھری محمد اسلم

مجلس ادارت

حافظ عتیق الرحمن ✻ اعجاز احمد اعجاز

سرکولیشن مینجر : رانا جاوید احمد

کمپیوٹرڈیزائننگ اینڈ لے آوٹ

رانا شوکت حیات، محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

اس شمارے میں

1- (اداریہ)	محمد اسلم	3
2- انٹرویو امیر محمد اکرم اعوان	محمد اسلم	4
3- کلام شیخ	سیماب اویسی	6
4- دل کا طبیب تلاش کرو	امیر محمد اکرم اعوان	7
5- شیطان کے تسلط کا اثر	امیر محمد اکرم اعوان	15
6- مجازین کی ذمہ داری اور تنبیہ	امیر محمد اکرم اعوان	24
7- اعتکاف کا مقصد	امیر محمد اکرم اعوان	31
8- اللہ پر اعتماد	امیر محمد اکرم اعوان	36
9- رونا بھی ایک نعمت ہے	دانشور اشفاق احمد	43
10- من الظلمت الی النور	سید اعجاز احمد شاہ بخاری	47
11- کمالِ انسانی	امیر محمد اکرم اعوان	50
12- مراسلات	قارئین	56

بدل اشتراک	سالانہ
پاکستان	250 روپے
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ - یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکن ڈالر

انتخاب جدید پریس ۔ لاہور 042-6314365

ناشر - پروفیسر عبدالرزاق

رابطہ آفس = ماہنامہ المُرشد اے ۔ ٹی ۔ ایم ۔ بلڈنگ، پل کوریاں، سمندری روڈ، فیصل آباد ۔ فون 041-668819

Web Site : www.alikhwan.org.pk

E.Mail : info@alikhwan.org.pk

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المُرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ۔ فون 042-5182727

اسرار التنزیل

اسلامی معیشت یا اسلام کا معاشی نظام

اسلام نے معاش کو انسانی اداروں کے سپرد نہیں کیا کہ وہ طے کریں کہ کس کی ضروریات کیا ہیں اور انہیں کیسے پورا کیا جائے یا وسائل پیداوار حکومت کے سپرد ہوں اور وہ سب کو برابر تقسیم کردے کہ عملاً ایسا ممکن نہیں۔ اسلام نے ہر آدمی کو اس کی استعداد کے مطابق اس کا حق دیا ہے اور جس کو جتنا حق دیا ہے اس پر اتنے فرائض بھی رکھے ہیں اس طرح انسان ایک دوسرے کے محتاج ہیں ایک ہنر مند مزدور کا محتاج ہے اور مزدور ہنر مند کا کہ نقشہ تو انجینئر نے بنا دیا مگر اسے اینٹ گارے سے مکان کی شکل دینا مستری اور مزدور کا کام ہے پھر یہ سب مل کر اس مالدار یا مالک مکان کے محتاج ہیں جو سرمایہ مہیا کرے اب یہاں سب سے زیادہ بوجھ مزدور نے ڈھویا اس سے کم بوجھ مستری پر پڑا اور انجینئر نے محض کاغذ پہ لکیریں کھینچیں مگر اجرت انجینئر کو زیادہ ملی مستری کو اس سے کم اور مزدور کو اس سے کم۔ اشتراکیت نے اسے غلط کہا مگر اسلام نے انجینئر کی عمر بھر کی تعلیم اور اس کی محنت کو شامل رکھ کر اس کی درجہ بندی کی۔ مستری نے کام سیکھنے پہ جو مشقت اٹھائی وہ شمار کی اور ان کے مقابلے میں مزدور کی صرف وقتی قوت و محنت لگی لہذا یہی حق ہے کہ جس پر جس قدر فرض اور ذمہ داری کا بوجھ ہے وہ اتنا پالے گا ہاں اگر اشتراکیت چاہے بھی تو تقسیم برابر نہیں کر سکتی کہ انسانی استعداد اس کی عقلی اور ذہنی رسائی اس کا کام کے ساتھ خلوص اور دیانت و امانت بھلا سکے ماپا جا سکتا ہے نیز اس کے میلان طبعی کے خلاف اس سے کام لینا محال اور انسانی تقسیم ہر ایک کو اس کے میلان کے مطابق دینے سے قاصر جب کہ قدرتی تقسیم میں ہر فرد اپنی پسند سے اپنے میلان طبع کے مطابق کام اختیار کرتا ہے اور عجیب بات ہے کہ ہر کوئی خوش ہے سیاستدان اپنی جگہ دفتر کا بندہ اپنی جگہ اور کاشتکار اپنی مشقت پہ نازاں ہے اسی طرح اسلام نے سرمایہ دارانہ نظام کو بھی رد کر دیا اور ناجائز وسائل سے دولت جمع کرنے کو منع کر دیا ذخیرہ اندوزی، جواء سٹہ اور سود وغیرہ کو حرام قرار دے کر جائز آمدنی پر بھی زکوۃ وعشر جیسے واجبات اور صدقات پر ثواب کا وعدہ دے کر مال کے ایک جگہ جمع ہونے کو روکا یوں دونوں کے درمیان ایک معتدل راستہ قائم کیا۔

☆☆☆☆☆

(الیہ یرد. الزخرف)

اداریہ ..... ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرنے کا الزام

پچھلے چند ماہ سے پاکستانی سائنس دانوں پر ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرنے کے الزامات لگ رہے ہیں۔ حکومت پاکستان نے امریکہ کے دباؤ پر ڈاکٹر عبدالقدیر سمیت چند سائنس دانوں کو تفتیش کیلئے نظر بند اور گرفتار کیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر سے تفتیش کے حوالہ سے عوام میں زبردست بے چینی پائی گئی۔ عام پاکستانی ڈاکٹر عبدالقدیر اور ایٹمی پروگرام کو لازم وملزوم سمجھتا ہے اس لئے ایک واضح اکثریت نے اُن سے تفتیش سے مراد یہ لیا کہ شاید حکومت ایٹمی پروگرام رول بیک کرنے کی طرف جا رہی ہے۔ دوسری طرف سائنس دانوں کے لواحقین بھی احتجاج کیلئے منظر عام پر آئے اور ہائی کورٹ میں رٹ دائر کی۔

اس صورت حال میں جنرل مشرف کو دوہرے دباؤ کا سامنا تھا۔ ایک طرف تو انہوں نے امریکی دباؤ پر عمل پیرا ہو کر سائنس دانوں سے تحقیق وتفتیش شروع کی اور دوسری طرف انہوں نے ڈاکٹر عبدالقدیر سے اعتراف کروا کے پاکستانی رائے عامہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالات کوئی واضح تصویر نہیں دکھا رہے۔ قوم گومگو کا شکار ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ سائنس دان ہمارے قومی ہیرو ہیں۔ حکومت پاکستان نے ہمارے قومی ہیروز کو ملزموں کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ ہمیں سائنس دانوں سے تحقیقات پر اعتراض نہیں لیکن تحقیقات کے طریقہ کار سے اختلاف ہے اگر کسی پر شک تھا تو اس کے خلاف محکمانہ انکوائری کی جانی چاہئے تھی۔ ایجنسیوں کے ذریعے حراست میں لینا اور میڈیا ٹرائل کرنا کیا ضروری تھا؟۔

تنظیم الاخوان کے امیر محمد اکرم اعوان نے بالکل درست کہا ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی ہمارے خون پسینے کی کمائی ہے۔ اگر کسی نے اس کو فروخت کیا تو وہ قرار واقعی سزا کا حق دار ہے لیکن تحقیقات کے نام پر سائنس دانوں کی تذلیل نہ کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرنے کا اعتراف نہیں کیا ہے۔ انہوں نے صرف ایٹم بم سے متعلقہ سامان کے حصول کے عمل میں فنڈز کی خورد برد کا اعتراف کیا ہے اور یہ بات بھی واضح نہیں کہ اس خورد برد میں کون شامل رہا اور کتنی رقم بدعنوانی کی نذر ہوئی۔

ہم سمجھتے ہیں کہ امریکہ اس صورتحال سے پاکستان پر اپنا دباؤ مزید بڑھائے گا۔ عیسائی یہود وہنود مسلمانوں کے کبھی دوست نہیں ہوسکتے۔ وہ کسی مسلمان ملک کی ایٹمی صلاحیت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمارا حکومت پاکستان سے مطالبہ ہے کہ ایٹمی ٹیکنالوجی پر کوئی سمجھوتہ یا دباؤ ہرگز قبول نہ کیا جائے کیونکہ غیور قوموں کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان کا
تازہ ترین انٹرویو

17فروری 2004، بروز منگل کو مدیر المرشد محمد اسلم نے منارہ میں امیر تنظیم الاخوان امیر محمد اکرم اعوان سے خصوصی ملاقات کی۔ اس ملاقات میں انہوں نے پاکستان میں سائنس دانوں کے حوالہ سے خصوصی سوال کئے جو قارئین المرشد کیلئے شائع کئے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

سوال:۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کرنے کا الزام کہاں تک درست ہے؟

جواب:۔ ڈاکٹر عبدالقدیر نے ٹیلی ویژن پر ایٹمی پرزہ جات یا راز فروخت کا کہیں بھی اعتراف نہیں کیا بلکہ انہوں نے ادارے کے سربراہ کے طور پر اعتراف کیا ہے کہ ان کے نیچے فنڈز میں جو گڑبڑ ہوئی ہے وہ اس کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ٹیکنالوجی منتقل کرنے کا کہیں بھی اعتراف نہیں کیا۔ اس لئے ان پر ایٹمی ٹیکنالوجی کے فروخت کا الزام سراسر غلط ہے۔

سوال:۔ کیا امریکہ اور یورپ صدر مشرف کے سائنس دانوں کے خلاف اقدامات سے مطمئن ہو جائیں گے؟

جواب:۔ یہ بات تو وقت ہی بتائے گا مگر امریکہ نے شروع دن سے ہی پاکستان پر پریشر ڈالا ہوا ہے۔ چندروز قبل صدر بش کا ٹیلی ویژن پر بیان تھا کہ صرف پانچ ممالک ہی ایٹمی پاور ہیں باقی کو ہم ایٹمی پاور تسلیم نہیں کرتے (ان پانچ میں پاکستان اور بھارت شامل نہیں ہیں) بہرحال صدر مشرف معاملات کو نارمل کرنے کی کوشش میں ہیں اور یہ بات حتمی ہے کہ پاکستان کا کوئی بھی سربراہ ایٹمی ٹیکنالوجی سے کبھی دستبردار نہیں ہوگا۔ بے شک امریکہ مطمئن ہو یا نہ ہو۔

سوال:۔ پاکستانی سائنس دانوں سے جو سلوک ہوا ہے عوام اس سے بہت دل گرفتہ ہیں آپ کیا سمجھتے ہیں؟

جواب:۔ میں سمجھتا ہوں کہ سائنس دانوں کے معاملہ کو جس طرح سے Deal کیا گیا ہے وہ طریقہ بالکل غلط تھا سائنس دانوں کے خلاف اگر کوئی الزام تھا تو محکمانہ کارروائی ہونی چاہئے تھی۔ اسے جس طریقے سے ہینڈل کیا گیا ہے اس سے عوام میں بے چینی کا پایا جانا ایک فطری امر تھا۔ سائنس دانوں سے جو سلوک ہوا اس پر وہ یہ بات درست کہتے ہیں کہ اس سے اچھا تو یورپ اور امریکہ میں ملازمت اختیار کر لیتے جہاں انہیں اچھی تنخواہیں اور دوسری مراعات بھی ملتی ہیں۔

سوال:۔ اگر کسی سائنس دان نے ذاتی مفاد کی خاطر ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کی ہو تو کیا یہ غلط نہیں تھا؟

جواب:۔ پاکستان نے ایٹمی ٹیکنالوجی بڑی مشکل سے حاصل کی ہے۔ اور اس کیلئے چودہ کروڑ عوام نے بڑی قربانی دی ہے کیونکہ جو رقوم عوام کی فلاح وبہبود پر لگنی تھیں وہ اس Project پر صرف ہوئی ہیں یہ بڑی محنت اور خون پسینے کی کمائی ہے۔ اب اگر کسی سائنس دان نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ایٹمی ٹیکنالوجی فروخت کی تو وہ سزا کا حق دار ہے اگر یہ ٹیکنالوجی فروخت کرنی ہی ہو تو اس کا حق صرف حکومت پاکستان کو ہے۔

سوال:۔ پاکستانیوں کا گلہ ہے کہ لیبیا اور ایران نے پاکستانی سائنس دانوں کا نام لیکر اسلامی بھائی چارے کا مظاہرہ نہیں کیا؟

جواب:۔ میرے بھائی! اسلامی بھائی چارہ ہے کہاں؟ ہر ملک کو اپنا مفاد عزیز ہے مسلم ممالک کے سربراہان اپنا اقتدار عزیز رکھتے ہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے عرب ممالک کا رویہ دیکھا ہے۔ اگر انہیں کوئی ہندو ملازم سستا مل جائے تو پاکستانیوں کے مقابلہ میں اس کی خدمات حاصل کر لیتے ہیں۔

عرب ممالک میں گوروں اور ہندوؤں کے مقابلہ میں پاکستانیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک ہوتا ہے ہم لوگ خواہ مخواہ مسلم ممالک سے بھائی چارے کی توقع رکھتے ہیں۔

سوال:- عراق میں روزانہ امریکیوں کے علاوہ بے گناہ عراقی بھی مارے جارہے ہیں۔ آیا جہادی تنظیمیں یہ غلط نہیں کررہیں؟

جواب :- عراق میں Anti American لوگوں کو Base مل گیا ہے۔ نہ جانے یہ کون لوگ ہیں آیا وہ جہادی تنظیمیں ہیں یا کوئی اور۔ کوئی بھی حتمی بات نہیں کی جاسکتی کسی بھی ملک کی تنظیم ہوسکتی ہے بس ان لوگوں کو عراق میں Base مل گیا ہے اور بے گناہ عراقیوں کو کون قتل کررہا ہے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ باقی رہ گئی امریکیوں کی ہلاکت کی بات تو وہاں پر اوسطاً روزانہ 3 یا 4 امریکی فوجی مارے جارہے ہیں۔ امریکہ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ جس ملک کا صدر انہیں پسند نہیں اسے صدارت سے ہٹنا چاہئے۔ اگر ہمیں امریکی صدر پسند نہ ہو تو کیا ہمیں اسے ہٹانے کا اختیار ہے اگر بالفرض صدر صدام انہیں ناپسند تھا۔ اب تو صدام جاچکا ہے۔ اب امریکہ اپنے گھر واپس کیوں نہیں جاتا؟

سوال:- کیا مسلم ممالک میں اتحاد کی کوئی امید نظر آتی ہے؟

جواب :- اگر 52 عیسائی ریاستیں USA بن سکتی ہیں تو 56 مسلمان ممالک ایک کیوں نہیں ہوسکتے؟ مگر مشکل یہ ہے کہ ہر مسلمان ملک کا صدر یا بادشاہ اپنی من مرضی کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان کے مفادات مسلم ممالک کو اکٹھے ہونا نہیں دیتے۔ امہ کا جو تصور ہے اس کا مطلب ہے ایک وجود ہو اور ایک جان ہو مگر اس وقت امہ کا دھڑ علیحدہ اور سر علیحدہ ہے۔ آپ امہ اور مسلم اتحاد کی بات کرتے ہیں یہاں تو ہر مسجد کا اسلام علیحدہ ہے بلکہ ہر آدمی کا اسلام دوسرے سے جدا ہے مرکزیت بالکل نہیں رہی۔ ہر آدمی کو اپنا مفاد عزیز ہے۔

سوال:- اسلام آباد میں چند روز تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بات چیت کا دور شروع ہونے والا ہے آپ اسے کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب :- ہندوستان اور پاکستان علیحدہ علیحدہ ملک ہیں۔ ایک دوسرے کو یہ ختم نہیں کرسکتے دونوں ممالک کے عوام کا مفاد اسی میں ہے کہ جلد از جلد یہاں پر امن قائم ہو۔ دونوں ممالک کے درمیان کشمیر کا مسئلہ ہے جو 56 سال سے حل نہیں ہوسکا کشمیر میں اب تیسری نسل آگئی ہے۔ معلوم نہیں وہ کیا سوچتے ہیں۔ بہرحال اس خطہ میں امن آئے تاکہ دونوں طرف کے عوام کو زندگی کی بنیادی سہولتیں مل سکیں۔ کشمیر پر امریکہ کا اپنا ایجنڈا ہے۔ وہ New World Order کے تحت کشمیر میں اپنا رنگ بھرنا چاہتا ہے اور اس کے اپنے مفادات ہیں۔

سوال:- جمہوریت کے حوالے سے ہم بھارت سے پیچھے کیوں ہیں؟

جواب :- بھارت ہم سے آگے ہے اس لئے کہ وہاں پر جمہوری نظام مستحکم ہے Army بھی دس گنا ہے پھر بھی وہ حکومتی امور میں مداخلت نہیں کرتے اس سے معاشی حالات درست رہتے ہیں۔ ہمارے ہاں حکومت کے امور میں فوج کی مداخلت رہتی ہے۔ جس سے حکومتوں کی تبدیلی پر بے پناہ اخراجات آتے ہیں۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ سیاست دان اور آرمی دونوں ہی ملکی وسائل کا استحصال کررہے ہیں۔

سوال:- آیا صوبہ سرحد اور بلوچستان میں MMA کی حکومتیں آنے سے اسلامی نظام کی طرف کوئی پیش رفت ہوئی ہے یا نہیں؟

جواب:- MMA نے دوسرے سیاستدانوں کی طرح دوہرا معیار اپنایا ہوا ہے۔ ایم ایم اے کے برسر اقتدار آنے سے صرف یہ فرق پڑا ہے کہ ان کی بہو بیٹیاں ایم این اے اور سینیٹرز بن گئی ہیں۔ ایم ایم اے سے پوچھا جانا چاہئے کہ سارا ملک بھرا پڑا تھا۔ عام خواتین کو ایم این اے اور سینیٹرز کیوں نہیں بنایا گیا؟ ایم ایم اے سے تو بہتر ایم کیو ایم والے ہیں۔ انہوں نے اپنی پارٹی کی عام عورتوں کو ایم این اے اور سینیٹرز بنایا۔

اس ملک کے دو صوبوں میں ایم ایم اے کی حکومت ہے وہاں پر نہ عدل ہے، نہ انصاف اور نہ اسلامی نظام .... بلکہ الٹا یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ مرکز کے پاس کنٹرول ہے ہم کیا کرسکتے ہیں؟ اگر ایم ایم اے والے کچھ نہیں کرسکتے تو پھر حکومت چھوڑ دیں۔

سوال:- اے آر ڈی کی مشرف ہٹاؤ اور پاکستان بچاؤ تحریک پر آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب :- اے آر ڈی نے جو تحریک شروع کی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ مشرف کی جگہ نیا صدر آجائے گا۔ پھر یہ Story زیرو سے شروع ہوجائے گی۔ اور آنے والا صدر ریڈیو اور T.V پر آکر یہ اعلان کردے گا۔

میرے عزیز ہم وطنو!

ایسی تحریکوں سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ چہرے بدل جاتے ہیں۔ میرے خیال میں اس سے پاکستان کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

کلامِ شیخ

امیر محمد اکرم اعوان، سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے گرد سفر، نشان منزل، متاع فقیر، آس جزیرہ، دیدہ تر، کونسی ایسی بات ہوئی ہے، سوچ سمندر شائع ہو چکے ہیں۔

قدوم فلک سایہ، چومے زمیں نے
خدا نے زمیں ساری مسجد بنا دی

نگاہ کرم جب کسی پہ پڑی تو
نہاں خانہ دل کی دنیا بسا دی

ترے دست عالی پہ بیعت کی عظمت
وہی بیعت آخر کو رضواں بنا دی

وہ کانٹوں بھرا ایک کیکر کا پودا
زمیں سے خدا نے وہ صورت اٹھا دی

بتایا فقط اپنے قرآں میں اس کا
خطاکار آنکھوں سے صورت چھپا دی

وہ کچے گھروندے مکیں جن کے پکے
نوید طہارت سبھی کو سنا دی

تری ذات امی خرد کا سمندر
جہالت کی ظلمت جہاں سے مٹا دی

غرض جس کی جیسی بھی نسبت بنی ہے
اسی طرح اک اس کی دنیا بسا دی

ہوئی موت بھی زندگی سے حسیں تر
تری رہ میں آئی شہادت بنا دی

عطا کر دل زار کو بھی وہ جذبہ
جسے پا کے لوگوں نے دنیا لٹا دی

ہو سیماب کو بھی عطا ایک قطرہ
کہ ہر قطرے نے ایک جنت بسا دی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیماب اویسی

دل کا طبیب تلاش کرو

دل کا طبیب بھی تلاش کرو دنیا میں سب سے کمیاب دلوں کے طبیب ہیں۔ کوئی ایسا بندہ مل جائے جو ہمارے دل کو بھی اللہ اللہ سکھا دے۔ کوئی ایسا بندہ مل جائے کہ اللہ کا نام ہمارے دل میں بھی بسا دے۔ کوئی اللہ کا ایسا بندہ مل جائے جو ہمارے دل کو بھی یقین دلا دے کہ اللہ ہے یہ اللہ کا جمال ہے۔ یہ اُس کا کرم ہے۔ یہ اُس کی عطا ہے تو بات بن جائے کیسا زمانہ تھا کہ جنہیں نہیں ملا انہوں نے عمریں لگا دیں تلاش کرتے رہے اور ہم جن پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں پھر بھی ادھر ادھر ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 04-01-9

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر ربک فی نفسک تضرعا و دون الجھر من القول بالغدو والا صال والا تکن من الغفلین.

نواں پارہ سوۃ الاعراف کی آخری آیات ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے واذکر ربک فی نفسک. اپنے پروردگار کو، اپنے پیدا کرنے والے کو، روزی دینے والے کو، تمام نعمتیں عطا کرنے والے کو، یاد کرتے رہو۔فی نفسک. دل ہی دل میں۔ اللہ اور بندے کے تعلق کا معاملہ عجیب ہے وہ ہر جگہ موجود ہے۔ ہر شے سے آگاہ ہے۔ جو کچھ ہو چکا اُس کے علم میں ہے۔ جو ہو رہا ہے وہ جانتا ہے۔ جو آئندہ ہوگا وہ جانتا ہے۔ اُس کے علم میں ہے آدمی کیا سوچتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اُس کا کردار کیا ہے؟ اُس کے افکار کیا ہیں؟ یہ سب کچھ رب کریم کے علم میں ہے۔ انسانی وجود کا ایک ایک ذرہ کیا کر رہا ہے اور آگے کیا کرے گا؟ یہ سب کچھ وہ جانتا ہے کوئی چیز اُس کی ذات سے پوشیدہ نہیں لیکن بندہ اس قدر مجبور اور اس قدر بے بس ہے کہ وہ خود اللہ کو بھی نہیں جانتا۔ بندے کے لئے سب سے بڑا غیب اللہ کی ذات ہے اور یہ بڑی آسانی سے جو ہم کہہ دیتے ہیں لا الـه الا اللّٰه. یہ اتنا آسان نہ تھا جب تک محمد رسول اللہ ﷺ مبعوث

> بندہ دل ہی دل میں اُس کی یاد کو بسائے رکھے تو وہ ایسا کریم ہے اُس کے نام میں ایسی برکت ہے کہ پھر اُس کی تجلیات دل پہ وارد ہونے لگتی ہیں

نہ ہوئے۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے لوگ اللہ سے بیزار ہی تھے۔ بعثت عالی ﷺ سے پہلے ایسے لوگ بھی تھے جو اللہ کو جاننا چاہتے تھے۔ اللہ کی تلاش میں تھے۔ اور تاریخ میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنھوں نے جہاں تک بس چلا دنیا میں پھر کر دیکھا کہ کوئی ہمیں اللہ کی راہ بتائے۔ اللہ کی ذات کے بارے، اللہ کی صفات کے بارے، بتائے اللہ کیسا ہے؟ اللہ کون ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے کئی صدیاں جو گزریں اُسے عہد فترت کہا جاتا ہے۔ جو تاریکی کا دور تھا جس میں کسی کو ذات باری تعالیٰ کے بارے کوئی علم نہیں تھا اور ایسے لوگ جو کائنات کو دیکھ کر اندازہ کرتے تھے کہ اس کے بنانے والا اس کے چلانے والا کوئی ہے۔ یہ اتنا بڑا کارخانہ اتفاقاً نہیں چل رہا۔ جن لوگوں کو اللہ نے شعور بخشا تھا وہ سورج کے طلوع وغروب، ہواؤں کے چلنے، بادلوں اور بارشوں کے آنے جانے، دن رات کے بدلنے، موسموں کے تغیر وتبدل، چیزوں کے پیدا ہونے فنا ہونے، کی ایک خاص ترتیب کو کون قائم رکھتا ہے؟ کتنی بے شمار جڑی بوٹیاں اپنے موسم میں اُگتی ہیں۔ اُن پہ بیج لگتے ہیں پھر وہ خشک ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ پھر جب تک اُس کا اپنا موسم نہیں آتا تب تک اُس مٹی میں وہ ہی بیج محفوظ رہتا ہے۔ اُس پر بارشیں بھی ہوتی رہتی ہیں سب کچھ ہوتا رہتا ہے نہیں اگتا۔ لیکن جب اُس کا وقت آتا ہے وہی بیج جو مٹی میں پڑا تھا پھر اگ پڑتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ اپنے آپ نہیں ہوتا۔ اُس بیج کو کسی نے

محفوظ رکھا۔ اُس وقت تک اُس کی حفاظت کی' اُس وقت پر اُسے اُگا دیا' وہ کون ہے؟ ایسی طاقت جو ہر چیز کا دھیان رکھے ہوئے ہے ہر چیز پہ قادر ہے۔ ایک سانس کے ساتھ دنیا میں اتنی تبدیلیاں ہوتی ہیں کہ انسان شمار نہیں کر سکتا جتنے وقت میں ہم ایک سانس لیتے ہیں' کروڑوں انسان مر جاتے ہیں۔ کروڑوں چیزیں مر جاتی ہیں۔ جانور مر جاتے ہیں۔ درخت گر جاتے ہیں۔ سبزے خشک ہو جاتے ہیں۔ پانی خشک ہو جاتے ہیں اور ایک سانس لینے میں کروڑوں جگہ پہ کہیں بارش ہو رہی ہے' کہیں بادل ہو رہا ہے' کہیں سبزہ اُگ رہا ہے' کہیں انسان پیدا ہو رہے ہیں' کہیں جانور پیدا ہو رہے ہیں' کوئی ان آنے والے جانے والوں کی گنتی شمار نہیں کر سکتا کہ ایک لمحے میں کتنی تبدیلی ہوتی ہے۔ پھر اُس میں کہیں رکاوٹ نہیں آتی' کہیں خرابی پیدا نہیں ہوتی' کوئی ایسی تبدیلی نہیں آتی جو غلط نظر آئے تو یہ سب کچھ از خود نہیں ہو رہا کوئی اس کا کرنے والا ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ کہاں ہے؟ وہ کیسا ہے؟

مکہ مکرمہ کے رہنے والے ایک شخص تھے جن کا نام زید بن عمرو بن نفیل تھا۔ بہت سے ناموں کے ساتھ تاریخ میں اُن کا نام بڑا جلی حروف میں ملتا ہے کہ انہوں نے جہاں تک وہ چل سکے دور دراز شہروں میں' دور دراز گرجوں میں' چرچوں میں' یہودیوں کی عبادت گاہوں میں' اُس کے علماء سے حقیقت جاننا چاہی اور ساری عمر پیدل سفر میں گزار دی۔ لیکن انہیں بتایا یہی گیا کہ ہمارے پاس حکایات ہیں حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت گم ہو چکی ہے ہمارے پاس تو حکایات ہیں۔ اُن کو لیکر مذہب بنا کر ہم بیٹھے ہیں۔ پھر وہ بیت اللہ کے سامنے بیٹھ کر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

رب واحد ام الف رب
ادین اذا تقسمته الامور

کہ رب اس کارگاہ کو بنانے اور چلانے والا کوئی ایک ہے۔ ایک سے زیادہ ہوتے تو کبھی اُن میں اختلاف آتا؟ کبھی کوئی جھگڑا ہوتا۔ کبھی کسی چیز میں کہیں کوئی خرابی پیدا ہوتی' یہ جو آپ نے ہزاروں رب بنا رکھے ہیں اور ہزاروں بت پوج رہے ہو یہ فضول بات ہے۔ رب ایک ہی ہو سکتا ہے ہزاروں رب نہیں ہو سکتے۔ جب کئی رب ہوں گے تو پھر ہر ایک کا اپنا مشورہ' اپنی صلاح' اپنی رائے' ہوگی۔ اور خدا جانے وہ کیا کرنا چاہے دوسرا کیا کرنا چاہے؟ یہ ایک ہی ہستی ہے وہ جو چاہتی ہے کر رہی ہے اور یہ جو تم نے ہزاروں رب بنا رکھے ہیں یہ غلط بات ہے۔ یہ کوئی دین نہیں کہ جب کام بانٹ دیئے جائیں کہ جی یہ اولاد دیتا ہے۔ یہ روزی دیتا ہے۔ وہ بارش برساتا ہے۔ یہ صحت دیتا ہے۔ بندہ ایک ہے اور اُس پر کام کرنے والے تم نے ہزاروں بنا رکھے ہیں اور اُس کے سارے امور تقسیم کر دیئے ہیں۔ ادین اذا تقسمته الامور. جب کام بانٹ دیئے جائیں تو یہ دین نہیں ہے یہ تو تم نے کوئی لمیٹڈ فرم بنالی۔ ترکت لات والعزیٰ جمیعاً اُس نے کہا میں لات عزیٰ اور تمام بتوں کو چھوڑتا ہوں۔ کذالک یفعلُ الرجلُ البصیرُ. اور جس بندے کو اللہ نے بصارت دی' بصیرت دی' دل کی آنکھیں دیں' وہ ایسا ہی کرے گا۔ پھر وہ روتے تھے اور مٹی ہاتھ پہ اٹھا کر اُس پہ پیشانی رکھ دیتے اور کہتے۔ میں جانتا ہوں تو ہے مجھے یہ نہیں پتہ تو کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ تیری عبادت کا کیا طریقہ ہے؟ کس بات پہ تُو راضی ہے تو میری یہی عبادت تو قبول فرما لے میں تیرے لئے سجدہ کرتا ہوں۔ مولانا حالی نے کہا۔

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا اور فلسفیوں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

یہ اعزاز آقائے نامدار ﷺ کا ہے کہ انہوں نے ایک جملے میں ذات باری کا تعارف کرا دیا۔ لا الہ الا اللہ ایک چھوٹے سے جملے میں ہر فرد و بشر تک یہ بات پہنچا دی کہ اللہ ہے اور اُس جیسا کوئی نہیں ہے۔ وہ ایسا ہے کہ وہ عبادت کا مستحق ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اور کوئی ایسا نہیں جس کو پوجا جائے۔ جس کی

> **ہر وقت' ہر لمحہ' ہر آن' اپنے دل ہی دل میں اپنے پروردگار کی یاد کو زندہ رکھو۔ جس کام کی جس بندے میں طاقت نہیں یا جو کام بندہ کر نہیں سکتا اُس کا اُسے مکلف ہی نہیں ٹھہرایا گیا**

عبادت کی جائے اور یہ بات محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اُس کے رسول ہیں اب یہ خبر ہم تک پہنچی کہ اللہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دی ہم نے یقین کرلیا۔ لیکن ہمارا دل کیسے مانے کہ وہ ہے۔ دل دیکھی ہوئی چیزوں کو مانتا ہے۔ سورج نکلا ہوا ہے آنکھوں نے دیکھا دماغ نے بتایا سورج ہے۔ دل مانتا ہے سورج ہے۔ جس کی آنکھیں نہیں ہیں اُس کو بھی دھوپ کی تمازت بتا دیتی ہے کہ دن نکلا ہوا ہے کوئی نہ کوئی چیز یا اُسے محسوس کرلیتا ہے یا کوئی دوسرا کسی اندھے کو بھی بتا دیتا ہے کہ بھئی اب دن چڑھ آیا ہے۔ اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس کی تو آنکھیں ہیں اس کا مطلب ہے دن ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن لوگوں کو براہ راست بتایا اُن کا عالم یہی تھا کہ انہیں اور کسی دلیل کی ضرورت باقی نہ رہی اور اُن کا دل یقین کر گیا کہ اللہ ہے لیکن سارے لوگوں نے تو وہ زمانہ نہیں پایا اور نبوت تو حضور اکرم ﷺ کی قیام قیامت تک ہی ہے اور رہے گی یہ جو دنیا بعد میں آ رہی ہے یہ کیا کرے؟ ہم تک تو آقا نامدار ﷺ کا چودہ سو سال بعد پیغام پہنچا۔ کتنے لوگوں سے ہو کر گزرا، کتنی نسلوں سے ہو کر گزرا، تو ہمارا دل، ہمارا باطن، ہمارا ضمیر، وہ کیسے مانے کہ اللہ ہے۔ جب اللہ کی کوئی مثال نہیں ہے۔ اللہ کا کوئی رنگ نہیں ہے۔ کوئی حلیہ نہیں ہے۔ نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ چھو سکتے ہیں، نہ کوئی مثال بتا سکتے ہیں، تو کیسے مانیں؟ اُس کا طریقہ قرآن کریم نے بتایا کہ بندے اور اللہ کا رشتہ ہے کہ بندہ اللہ کا نام لیتا رہے۔ دل ہی دل میں اُس کی یاد کو بسائے رکھے تو وہ ایسا کریم ہے اُس کے نام میں ایسی برکت ہے۔ کہ پھر اُس کے جمال کی، اُس کے حُسن کی، اُس کی ذات کی، تجلیات دل پہ وارد ہونے لگتی ہیں اور آنکھیں دیکھیں یا نہ دیکھیں۔ دل مان اٹھتا ہے کہ میرا اللہ ہے۔ آنکھوں کو نظر آئے یا نہ آئے دماغ کو اس بات کی سمجھ آئے یا نہ آئے دل مان اٹھتا ہے کہ میرا اللہ ہے اُس کا نسخہ یہاں بتایا۔ واذکر ربک فی نفسک. اپنے دل میں اپنے پروردگار کو یاد کرتا رہ۔

نکاح، طلاق، خرید وفروخت غرض زندگی کا ہر کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے متعین ہو گیا۔

تضرعاً. نہایت عاجزی سے وہ کتنا عظیم ہے۔ کتنی بڑی کارگاہ حیات کا خالق و مالک ہے۔ ازلی و ابدی ہے۔ میں ایک عارضی مخلوق ہوں۔ میرے پاس وقتی لمحاتی زندگی ہے۔ عاجز محتاج ہوں۔ اُس کی عظمت کو سامنے رکھ کے نہایت تضرع سے، نہایت عاجزی سے، وخیفتہ. اور اُس کی ناراضگی سے ڈرتا رہ۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ اُسے ناراض نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا کچھ نہ ہو جائے جس سے وہ مجھ سے خفا ہو جائے و دون الجھر. کھپ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں، شور مچانے کی ضرورت بھی نہیں، آواز بلند کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ودُون الجھر من القول. نہایت خاموشی اور پست آواز کے ساتھ۔

بالغدو والاصال. کتنی دفعہ یاد کروں بار الٰہا ہزار مرتبہ، پانچ سو مرتبہ، پانچ ہزار مرتبہ، ایک لاکھ مرتبہ فرمایا نہیں رات دن صبح وشام ہر وقت، ہر لمحہ، دن ہو یا رات کھڑے ہو یا بیٹھے الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبھم. وہ لوگ جو کھڑے ہوں اللہ اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ بیٹھے ہوں اللہ اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ لیٹے ہوں اللہ اللہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جب بھی ہوش ساتھ دے اللہ کو یاد کرتا رہ۔ پھر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ واذکر ربک اذا نسیت۔ کسی کام میں لگ گئے، کسی بات میں لگ گئے، بات بھول گئی جب یاد آ جائے پھر اللہ اللہ کرنا شروع کر دے۔ اللہ کا ذکر شروع کر دے اور فرمایا۔

ولا تکن من الغفلین۔ اور غافلوں میں شامل مت ہونا۔ ذکر الٰہی میں غفلت نہ کی جائے۔ غفلت کی کوئی معیاد نہیں بتائی کہ دو دن، غافل نہ رہنا، ایک دن غافل نہ رہنا، یا ایک سال غافل نہ رہنا مطلق غفلت سے منع فرمایا کہ کبھی غافل مت ہونا اور یہ جو مطلق غفلت ہے یہ ایک لمحے کی بھی ہو سکتی ہے۔ چند منٹ کی بھی ہو سکتی

ہے۔ فرمایا وہ بھی تیرے حق میں صحیح نہیں ہے۔ ہر وقت، ہر لحہ، ہر آن، اپنے دل ہی دل میں اپنے پروردگار کی یاد کو زندہ رکھ۔ قرآن حکیم کا ایک اصول ہے۔ لایکلف اللہ نفساً الا وسعھا. جس کام کی جس بندے میں طاقت نہیں یا جو کام بندہ کر نہیں کر سکتا اُس کا اُسے مکلّف ہی نہیں ٹھہرایا گیا۔ ایک بندہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ کھڑا ہو کر پڑھنے کا مکلّف ہی نہیں۔ حالانکہ نماز کا قیام فرض ہے لیکن وہ کھڑا نہیں ہو سکتا تو وہ فرض اُس سے ساقط ہے بیٹھ کے پڑھے۔ ایک بندہ بیٹھ بھی نہیں سکتا وہ لیٹ کر اشارے سے پڑھ لے۔ اُس پہ وہ بھی ساقط ہے۔ یعنی جو کام کر نہیں سکتا اُس کا وہ مکلّف نہیں ہے۔ اب اگر بندہ ذکر دوام کر نہیں سکتا۔ ذکر دوام کا اُس کو حکم کیوں دیا جاتا اگر یہ ممکن نہ ہوتا کہ بندے کے دل میں ہر وقت اللہ کا نام گونجتا رہے تو پھر اس کا حکم کیوں دیا جاتا؟ اگر حکم دیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ بندے کے بس میں ہے کیسے بس میں ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عہد زریں جن خوش نصیبوں نے پایا تو نگاہ عالی کی ایک برکت تھی کسی کی نگاہ محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود عالی پر پڑ گئی یا آپ ﷺ کی نگاہ اُس کے وجود پر پڑ گئی ایک نظر کی بات تھی فرمایا۔

ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ. جسے ایمان نصیب ہوا اور اُس نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا یا آپ ﷺ نے اُس بندے کو دیکھ لیا تو اس ایک نگاہ کی بات تھی وہ کسی نے کہا تھا۔

من سی پارہ دل می فروشم
بگفتہ قیمتش۔ گفتم نگا ہے

میں اپنے دل کے ٹکڑے بیچنا چاہتا ہوں۔

کسی نے پوچھا کیا لو گے۔ دل کے ٹکڑوں کی قیمت کیا ہے؟ جب بیچ رہے ہو گفتم نگا ہے میں نے کہا ایک نگاہ۔ ایک نظر میں سب لٹا دوں گا۔ بگفتہ کم تراست۔ اُس نے کہا سودا

دل اللہ کو جانتا نہ ہو تو ہم لوگ چند ٹکوں کے عوض بک جاتے ہیں اور دین کے خلاف کام کر لیتے ہیں۔

اس طرح نہیں ہوتا کہ جو تم مانگو وہ مل جائے تم نے قیمت مانگ لی اب اس سے کتنی رعایت کرو گے کم بھی کرو گے۔ بگفتہ کم تراست۔ اس سے کم کتنی کرو گے۔ گفتم کہ گا ہے۔ اُس نے کہا یار زندگی میں کبھی اک نگاہ سہی۔ ایک نگاہ کی بات ہے کبھی زندگی میں ایک نگاہ سہی۔ یہ نگاہ تھی محمد رسول اللہ ﷺ کی کہ زندگی میں کسی کو اک نگاہ نصیب ہو گئی تو اللہ خبر دیتے ہیں

ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللہ. کھال سے لیکر نہاں خانہ دل تک، نہ صرف اُن کا دل ذاکر ہو گیا بلکہ وجود کا ہر ذرہ ذاکر ہو گیا۔ کھال کا ہر ذرہ، گوشت کا ہر ذرہ، رگ و ریشے کا ہر ذرہ، پٹھے ہڈیوں کا ہر ذرہ، ہڈیوں میں گودا ہے وہ دل تک، دل سے لیکر کھال تک ہر باڈی سیل جو ہے وہ ذاکر ہو گیا اور یہ کرم تو ہوا صحابہ کبار رضوان اللہ علیھم اجمعین پر اور جنہوں نے وہ عہد زریں نہیں پایا وہ کیا کریں؟ اُن میں سے بھی جس کسی کو صحابی کی صحبت اور ملاقات نصیب ہو گئی اُس کا وجود ذاکر ہو گیا وہ تابعی بن گیا جس کسی کو تابعین سے صحبت نصیب ہوئی۔ وہ تبع تابعی بن گیا اور اُس کا بھی انگ انگ ذاکر ہو گیا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے جس میں میرا قیام ہے۔ کائنات ارضی پر جب میں یہاں سے پردہ فرما جاؤں گا تو جو میرے بعد کے لوگ ہوں گے وہ سب سے بہتر ہوں گے۔ پھر جو اُن کے بعد لوگ آئیں گے وہ بہترین زمانہ ہے اب تبع تابعین کا دور بھی گزر گیا بعد والے کیا کریں؟ قرآن کریم محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نازل ہوا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین نے سنا۔ اگلوں نے کہاں سے حاصل کیا تابعین نے صحابہ سے تبع تابعین نے تابعین سے علیٰ ہذا۔ آج ہم تک وراثت میں آ رہا ہے۔ ہم نے اپنے پہلوں سے حاصل کیا ہمارے بعد میں آنے والے ہم سے حاصل کریں گے اس میں توارث ہے موروثی طور

پر چل رہا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا کوئی اپنی طرف سے گھٹا بڑھا نہیں سکتا۔ کوئی اس کا ایک نقطہ نہ مٹا سکتا ہے نہ بڑھا سکتا ہے وراثتاً اسی طرح حدیث مبارک احکام شرعی اُن کی تفصیل اُن کی ترتیب قرآن نے تو کہہ دیا۔ اقیموا الصلوۃ. نماز قائم کرو۔ اب نماز کے اوقات کیا ہیں؟ رکعت کتنی ہیں؟ رکعتوں میں پڑھنا کیا ہے؟ قیام کیسا ہے؟ سجود کیسے ہیں؟ رکوع کیسے ہیں؟ قومہ کیا ہے؟ جلسہ کیا ہے؟ یہ تو لمبی ترتیب ہے یہ کہاں سے آئی۔ قرآن کریم نے ایک سادہ سا جملہ کہہ دیا کہ صلوۃ قائم کرو۔ اب اُس کے سارے ارکان کیسے ہیں؟ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود اُن پر عمل کیا اور صحابہ کرام کو سکھایا اور انہوں نے اپنے سامنے عمل کرتے دیکھ کر تصدیق فرمائی تو متعین ہو گیا کہ یہ صلوۃ ہے روزہ رکھو اُس کے سارے ارکان۔ روزے حضور ﷺ نے رکھے اُن کے سامنے صحابہ کرام نے رکھے اور متعین ہو گیا نکاح' طلاق' خرید و فروخت غرض زندگی کا ہر کام حضور ﷺ کے سامنے متعین ہو گیا

سارے کا سارا دین وراثتاً صحابہ سے تابعین کو تابعین سے تبع تابعین کو حتی کہ آج تک منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے آج ہمیں بھی پتہ ہے نماز کیسے پڑھنی ہے؟ روزہ کیسے رکھنا ہے؟ حج کیسے کرنا ہے؟ خرید و فروخت میں کیا جائز ہے؟ کیا ناجائز ہے کھانے پینے میں حلال حرام کیا ہے؟ یہ سب کچھ کسی کے گھر کی بات نہیں یہ وراثتاً آ رہی ہے محمد رسول اللہ ﷺ سے اور یہ ہی دین ہے۔ اس میں کوئی نئی چیز داخل کرے یا اس میں سے کسی چیز کو چھوڑ دے اسے بدعت کہا جاتا ہے۔ برائی کہا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ قلبی کیفیات اور ذکر دوام بھی محمد رسول ﷺ کی عطا ہے۔ صحابہ کو ہوئی صحابہ سے تابعین کو' تبع تابعین کو' پھر جس طرح شعبے تقسیم ہو گئے کہ کچھ لوگ محدث کہلائے انہوں نے حدیث شریف کی خدمت کی اور دوسرے

دل نہیں مانتا کہ جب میں مسجد جاتا ہوں تو میں اللہ کے روبرو ہوتا ہوں۔

لوگوں تک حدیث کو پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ کچھ لوگ مفسر کہلائے انہوں نے تفسیر کی خدمت کی اور قران کریم کے معانی اور مفاہیم اگلی نسلوں تک پہنچائے' کچھ لوگ فقیہہ کہلائے اور انہوں نے شرعی مسائل فقہ آگے تک پہنچائے۔ اسی طرح کچھ لوگ ولی اللہ کہلائے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہ شعبہ سنبھالا کہ ذکر قلبی کیسے ہو اور کس طرح سے اُس کی کیفیت نصیب ہو اور دل کو کیسے یقین ہو اعتبار آ جائے کہ میرا اللہ ہے۔ جس طرح فقہا کا ایک طبقہ ہے۔ جس طرح محدثین کا ایک طبقہ ہے۔ جس طرح مفسرین کا ایک طبقہ ہے۔ اُس طرح اولیاء اللہ کا اور صوفیا کا ایک طبقہ ہے جو صحابہ کبار سے محمد رسول اللہ ﷺ سے صحابہ تابعین تبع تابعین سے لیکر آج تک وہ نور بانٹ رہے ہیں جو دلوں کو زندہ کو دیتا ہے۔ اور دل کی زندگی حقیقی حیات ہے ہر عبادت میں خشوع و خضوع کی شرط عائد کی جاتی ہے اور خشوع و خضوع دل کا فعل ہے۔ دل اللہ کو جانتا ہی نہ ہو تو ہم لوگ جو چند ٹکوں کے عوض بک جاتے ہیں اور دین کے خلاف کام کر لیتے ہیں کیوں ایسا کرتے ہیں؟ جب کہ ہم نسلاً چودہ صدیوں سے ہمارے آباؤ اجداد کلمہ پڑھتے آ رہے ہیں اور ہم اللہ کو مانتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ سُن سنا کر ہم مانتے تو ہیں دماغ مانتا ہے دل نہیں مانتا۔ جب دل مانے گا تب بات بنے گی۔ ہم سے نمازیں کیوں چھوٹ جاتی ہیں؟ دنیا کے معمولی کام نہیں چھوٹتے۔ جانور چرانے ہوں تو وہ نہیں چھوٹتے۔ ہل جوتنا ہو تو وہ نہیں چھوٹتا' کاروبار حیات چھوٹے چھوٹے کام کس سے ملنا آنا جانا سب ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کی عبادت چھوٹ جاتی ہے۔ اس لئے کہ دل میں اللہ بسا نہیں ہوتا۔ دل نہیں مانتا کہ جب میں مسجد جاتا ہوں تو میں اللہ کے روبرو ہوتا ہوں۔ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو وہ میرے سامنے ہوتا ہے۔ جب میں رکوع کرتا ہوں تو وہ مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب میں اُس کی تعریف اور ثنا کرتا ہوں تو وہ سن رہا ہوتا ہے جب میں اپنی گزارشات پیش کرتا ہوں تو وہ سن رہا ہوتا ہے۔

دل تب مانے جب دل میں اللہ ہو۔ اور فرمایا۔

واذکر ربک فی نفسک۔ اپنے دل میں اللہ کو بسالو۔ اسی طرح بساؤ کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ پڑوس ساتھ کھڑے ہوئے بندے کو آواز نہ آئے لیکن تمہارا دل اللہ اللہ کر رہا ہو اور کوئی لمحہ ایسا نہ ہو جب دل پہ غفلت آ جائے اور دل جب ذاکر ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا بندہ سو جاتا ہے تو کبھی دل دھڑکنا بھولتا ہے ورنہ جو سو جائے دل کی دھڑکن بند ہو جائے تو مر جائے گا۔ بندہ سو رہا ہوتا ہے غافل ہوتا ہے لیکن دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔ بندہ بے ہوش ہو جاتا ہے دل دھڑک رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اللہ اللہ سیکھ لیتا ہے۔ تو بندہ کام کاج کر رہا ہوتا ہے وہ اللہ اللہ کر رہا ہوتا ہے جب دل ذاکر ہو جائے تو بندہ مر جائے تو اُس کی دھڑکن بند ہو جاتی ہے لیکن اُس سے اللہ کا ذکر بند نہیں ہوتا وہ اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ جن لوگوں کو اللہ نے دل کی نگاہ دی ہے جو لوگ صاحب بصیرت ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صاف اندھیری رات ہو اور ستاروں بھرا آسمان ہو تو اتنے ستارے آسمان پر نظر نہیں آتے جتنے زمین پر انوارات چپے چپے سے اٹھ رہے ہوتے ہیں جہاں جہاں ذاکرین دفن ہیں وہ جو سلطان باہو رحمتہ اللہ نے فرمایا تھا۔

کہ نام فقیر تہا دا باہو قبر جہاندی جیوے ہو

اور قبر نے زندہ ہو کر ہل تو نہیں چلانا، جانور تو نہیں چرانے، کاروبار تو نہیں کرنا قبر انہی کی زندہ ہے جن کی قبر میں بھی تجلیات باری ہیں اور جن کے ذرات خاک میں مل کر بھی اللہ اللہ کر رہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے دوری سب سے بڑی مصیبت ہے۔ اور ہمیں ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم پندرہویں صدی میں ہیں چودہ سو سال بیت گئے پندرہویں صدی میں ہم آ گئے پندرہ سو سال بعد یا پندرہویں صدی میں بیٹھ کر وہ درد پالنا جس کی دکان چودہ صدیاں پہلے لگائی گئی تھی اتنا آسان کام نہیں ہے۔ پھر یہ از خود ہوتا نہیں

اپنے دل میں اللہ کو بسالو۔ اسی طرح بسائو کہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔

ہے جس طرح کوئی بتائے نہیں تو کلمہ نہیں آتا ہے جس طرح کوئی بتائے نہیں تو قرآن کا پتہ نہیں چلتا ہے جس طرح کوئی بتانے والا نہ ہو تو حلال حرام یا مسائل کا پتہ نہیں چلتا ہے اسی طرح کوئی سکھانے والا نہ ہو تو دل ذاکر نہیں ہوتا اور چودہویں صدی تک بڑا عجیب زمانہ رہا۔ چودہ صدیوں تک ہر عالم جو بھی کسی مدرسے سے فارغ ہوتا وہ کسی نہ کسی ولی اللہ کی خدمت میں جاتا اور ذکر قلبی سیکھتا۔ آپ علماء کی سوانح پڑھیے ہر عالم کے حالات میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ فلاں مدرسے سے انہوں نے تحصیل علم مکمل کی اور فارغ ہونے کے بعد فلاں بزرگ کی خدمت میں دو سال رہے، پانچ سال رہے، وہاں سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور پھر میدان عمل میں آئے یعنی ایک کیسا عجیب خوبصورت زمانہ تھا کہ جو بندہ مسائل سیکھتا، قرآن سیکھتا، حدیث سیکھتا، پھر وہ درد دل بھی خریدتا، اور پھر لوگوں کے پاس آتا پھر اُس کی باتوں میں اثر ہوتا درد ہوتا لوگوں کو جہاں مسائل بتاتا وہاں کیفیات بھی بانٹتا اور لوگوں کی اصلاح ہوتی۔ اب جس زمانے میں ہم آئے ہیں یہ اتنا دور ہو گیا ہے کہ ہمارا آج کا مولوی کہتا ہے ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ بہت چند اللہ کے بندے رہ گئے ہیں جو اس موضوع پہ بھی بات کرتے ہیں۔ اب اکثریت اُن کی ہو گئی ہے جو کہتے ہیں اس کی تو ضرورت ہی نہیں ہے اور بعض اس سے بھی آگے بڑھ گئے وہ اس کے خلاف دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ کتنی ہماری بدقسمتی کی بات ہے ہم کیسے زمانے میں پھنس گئے کہ کوئی درد عطا نہ کرتا، کوئی ہمارے دل کو ذاکر نہ کرتا لیکن ہمارے ایمان کو تو خراب نہ کرتا۔ ہمیں امیدوار تو رکھتا اس بات کا کہ اللہ میرے دل میں بھی کوئی اللہ اللہ کی کیفیت بس جائے یہ بھی غنیمت تھا۔ لیکن ہم ایسے دور میں آ پھنسے ہیں کہ جہاں دین کے دعویدار اور عالم ہونے کے مدعی اور پیشوا ہونے کے مدعی منع کرتے ہیں کہ اللہ کی یاد کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جب اللہ کی یاد کی ضرورت نہیں ہے تو باقی کیا بچے گا؟ بندے کو کہہ دیا جائے کہ دل کے

دھڑکنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، تو اُس کے پاس باقی بچے گا کیا؟ اور ضرورت نہیں ہے تو اس کا حکم قرآن کریم دے کیوں رہا ہے؟ کتنی دیدہ دلیری ہے کہ قرآن نے ہر جگہ کہا۔ اچھا کہتے ہیں جی نماز ذکر ہے۔ یہ کافی ہے' ٹھیک ہے' نماز ذکر ہے لیکن نماز کے ذکر پر قرآن نے بس نہیں کیا فرمایا۔

واذاقضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ واذکر اللّٰہ کثیراً o نماز ختم ہو جائے مکمل ہو جائے جاؤ اپنا کام کاج کرو روزی تلاش کرو لیکن اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ قرآن نے نماز پر بس نہیں فرمایا۔ فرمایا نماز ختم ہو جائے جاؤ کام کاج کرو روزی تلاش کرو لیکن واذکر اللہ کثیراً. اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ میدان کارزار میں جنگ ہو رہی ہے' مقابلہ ہو رہا ہے' آگ اور آتش و آہن برس رہا ہے' گولے برس رہے ہیں' وجودوں کے پرخچے اڑ رہے ہیں اللہ کریم فرماتاھے اذا لقیتم فیۃ فاثبتو. اے ایمان والو! اگر کسی مخالف لشکر سے مقابلہ آ جائے تو جم جاؤ تمہیں بھاگنا زیب نہیں دیتا۔ تمہارے ساتھ اللہ ہے تم کیوں بھاگو گے؟ جم کے لڑو ڈٹ کے لڑو لیکن فرمایا واذکر اللہ. ذکر اللہ کا کرتے رہو۔ جان دے رہا ہے گولی کے سامنے سینہ تانے کھڑا ہے۔ فرمایا اس حال میں بھی اللہ اللہ کرتے رہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا دونوں بھائی جاؤ فرعون کے پاس۔ فقولا لہ' قولاً لیناً. فرعون سے نرمی سے بات کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا مزاج تیز تھا۔ فرمایا آپ علیہ السلام ذرہ سخت مزاج ہیں اور دعوت و تبلیغ جو ہوتی ہے وہ سختی سے نہیں ہوتی اگلے کو متاثر کر نہیں ہوتی' نرمی سے' محبت سے' پیار سے' اُس سے بات کرنا اللہ بھی کتنا کریم ہے۔ فرعون خدائی دعویٰ کئے بیٹھا ہے وہ کریم فرماتا ہے تیری باتوں سے بھڑک کر وہ اپنی خدائی پہ قائم نہ رہے آپ علیہ السلام بات نرمی سے کیجئے گا پھر بھی اگر وہ اُس طرف رہنا چاہتا ہے تو اُس کی اپنی پسند لیکن ساتھ حکم دیا۔ ولا تنیا فی ذکری . میرے ذکر میں کوتاہی یا غفلت نہ آئے ذکر کرتے رہو۔ حالانکہ نبی کا وجود ذاکر ہوتا ہے۔ نبی کا ہر رگ وریشہ ذاکر ہوتا ہے۔ فرمایا ذاکر تو ہے لیکن تمہاری توجہ فرعون کی طرف زیادہ اور ذکر کی طرف کم نہ ہو۔ پھر کون ہے؟ جو کہتا ہے مجھے ضرورت نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری سب سے بڑی مصیبت ہے۔

میرے بھائی! ذکر الٰہی کے بغیر نہ اسلام کی صحیح سمجھ آتی ہے نہ اِس پر عمل کرنے کو جی چاہتا ہے بلکہ اب تو ایسا دور آ گیا ہے؟ ایسا زمانہ آ گیا آپ نے دیکھا بیمار معمولی سی دوا سے صحت مند ہو جاتا ہے لیکن کبھی زیادہ بیمار ہوتا ہے اُس سے اچھی دوائیں دی جاتی ہیں بڑی دیر بعد جا کر صحت مند ہوتا ہے۔ ایک درجہ بیماری کا ایسا بھی آتا ہے کہ دنیا کی ساری دوائیں ناکام ہو جاتی ہیں اور وہ مر جاتا ہے۔ یہ ذکر قلبی بھی دوا ہے۔ جس دور میں ہم ہیں یہ ایسا بدبختی کا دور ہے کہ لوگ بیس بیس سال ذکر کرتے رہتے ہیں پھر بھی مر جاتے ہیں۔ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ مرض بڑھ گیا ہے اور یہ کس وجہ سے ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ سے زمانہ بہت دور ہو گیا ہے۔ آپ جوں جوں دور ہوتے جائیں گے، توں توں روشنیاں کم ہوتی جائیں گی تاریکیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔

ایک نانبائی تھا روٹیاں پکا کر بیچا کرتا تھا۔ جو بچ جاتیں وہ دوسرے دن تازہ روٹی سے دوگنی قیمت پہ بیچتا۔ تازہ روٹی چار آنے کی اور جو کل کی بچی وہ کہتا آٹھ آنے کی بیچوں گا۔ کسی نے پوچھا میرے بھائی! تمہارا فلسفہ اُلٹا ہے۔ مہنگی تو تازہ روٹی ہونی چاہئے۔ اُس نے کہا یہ تازہ جو ہے یہ اُس کی نسبت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ایک دن اور پیچھے ہے۔ وہ اس سے ایک دن آگے ہے حضور ﷺ کے زمانے سے اُس کی قیمت زیادہ ہے۔ خریدنی ہے خریدو نہیں خریدنی نہ خریدو۔ اب جبکہ ہم باسی روٹی کھانا شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اُس کا

اندازہ یہ تھا کہ یہ جو کل بنی تھی اسے ایک دن محمد رسول اللہ ﷺ سے قرب نصیب تھا۔ لیکن یہ تو اُن لوگوں کی بات ہے جن کے دل میں اللہ بس گیا ہو۔ اور جن کے دل کو یقین آ گیا کہ اللہ ہے آنکھ دیکھے نہ دیکھے دل خود دیکھ لیتا ہے۔ آنکھ مانے نہ مانے دل خود مان لیتا ہے اور جب دل مانتا ہے تو پھر بدن کے ہر حصے کو ماننا پڑ جاتا ہے۔ کھال، گوشت، ہڈی، رگ و ریشہ، ہر چیز مان لیتی ہے اور یہ اللہ کا انعام ہے۔ جس طرح ہر جگہ حکیم نہیں ملتے ہر جگہ طبیب نہیں ملتے کہ مرض کو سمجھ لیں اور اُس کا علاج کریں۔ لوگ کیوں بھاگتے ہیں؟ کتنے ڈاکٹر نور پور بیٹھے ہیں؟ کتنے میانی بیٹھے ہیں؟ کتنے کلر کہار بیٹھے ہیں؟ کتنے چکوال بیٹھے ہیں؟ ہم اپنا مریض لے کر پنڈی یا لاہور کیوں چلے جاتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا ڈاکٹر ہو کامل فاضل سیانا سمجھ دار جو اُس کے مرض کو بھی جانچ لے۔ صحیح دوائی دے اور اسے صحت مل جائے۔ یہاں مفت دیکھنے والے بیٹھے ہیں ہم وہاں پانچ پانچ سو روپے فیس دے کر انتظار میں قطار میں جا کر لگ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اعتبار ہوتا ہے کہ یہاں سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

اسی طرح کبھی کوئی دل کا طبیب بھی تلاش کرو جو ملتے ہی نہیں، دنیا میں سب سے کمیاب اس وقت دلوں کے طبیب ہیں۔ کوئی ایسا بندہ مل جائے جو ہمارے دل کو بھی اللہ اللہ سکھا دے۔ کوئی ایسا بندہ مل جائے کہ اللہ کا نام ہمارے دل میں بھی بسا دے۔ کوئی اللہ کا ایسا بندہ مل جائے جو ہمارے دل کو بھی یقین دلا دے کہ اللہ ہے یہ اللہ کا جمال ہے۔ یہ اُس کا کرم ہے۔ یہ اُس کی عطا ہے تو بات بن جائے کیسا زمانہ تھا کہ جنہیں نہیں ملا انہوں نے عمریں لگا دیں تلاش کرتے رہے اور ہم جن پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں جن کی نبوت ہمیشہ کے لئے اور جن کا سورج ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ جس کی روشنی ہمیشہ رہے گی۔ قیامت تک علمائے حق بھی رہیں گے۔ محدثین بھی رہیں گے۔ فقہا بھی، مفسرین بھی رہیں گے اور اللہ اللہ کرنے والے بھی رہیں گے۔ حتی کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ فرمایا حتیٰ لایُقال اللّٰہ اللّٰہ۔ جس دن اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہ رہا۔ قیامت قائم ہو جائے گی۔ ہمیں کیوں نہیں ملتے شاید ہمیں اس کی عظمت کا احساس نہیں ہے ہمیں کوئی بتاتا نہیں ہے۔ مسجد میں جاؤ تو غزلیں، نعتیں پڑھتے رہتے ہیں شعر و شاعری ہوتی رہتی ہے۔ یا ایک دوسرے سے لڑانے کا پروگرام ہوتا ہے۔ یا جہنم کی وعید ہوتی ہے وہ بھی دوزخی، وہ بھی دوزخی، اُس کو مار دو اُس کو پکڑ لو۔ کوئی درد دل کی بات بتاتا نہیں ہے کوئی دل کی حکایت سناتا نہیں ہے۔ کوئی اس موضوع پہ بات ہی نہیں کرتا اور شاید ہم بھی ایسے بدنصیب ہیں کہ ہم بھی تلاش نہیں کرتے کہ کوئی کسی کونے میں کہیں دل کی بات بھی ہوتی تو ہوگی۔ اللہ کریم ہمیں یہ طلب بھی دے۔ ایسے لوگوں کی مجلس وصحبت بھی دے اور ہمارے دلوں کو اپنے نام اپنی یاد سے روشن کر دے۔ آمین ثم آمین ☆☆☆

سب سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے۔

میرے ذکر میں کوتاہی یا غفلت نہ آئے ذکر کرتے رہو۔ حالانکہ نبی کا وجود ذاکر ہوتا ہے۔ نبی کا ہر رگ وریشہ ذاکر ہوتا ہے۔

شیطان کے تسلط کا اثر

شیطان کے مسلط ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی سوچ تخریبی بن جاتی ہے وہ بھلائی نہیں سوچتا جس کی بھی سوچتا ہے بُرائی سوچتا ہے' اُس کو قتل کر دیا جائے' اُس کا مال چھین لیا جائے۔ اُس کو بے عزت ورسوا کر دیا جائے' اُس کے خلاف یہ کر دیا جائے چونکہ شیطان اُسے کوئی تعمیری مشورہ تو نہیں دے گا۔ اور یہ قانون فطرت ہے جیسے آپ کیکر بوئیں گے تو اُس پر کانٹے اُگیں گے اس طرح کا فرانہ فعل ہوگا تو اُس پر شیاطین مسلط ہوں گے۔

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 26-12-03

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم تر انا ارسلنا الشیطن علی الکفرین توزھم ازاo فلا تعجل علیھمo انما نعدلھم عداًo

سولھویں پارے میں سورۃ مریم کی یہ آیت مبارکہ اس بات کی وضاحت فرما رہی ہے کہ انسان اگر کفر کی ظلمت میں گھر جاتا ہے تو اللہ کریم کی طرف سے اُس پر شیاطین مسلط کر دیے جاتے ہیں۔ الم ترانا ارسلنا الشیطن علی الکفرین. اے مخاطب! کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ ہم کفار پر شیاطین کو چھوڑ دیتے ہیں' بھیج رکھتے ہیں۔ انا ارسلنا. یعنی اس کام پہ انہیں لگا دیتے ہیں۔ توزھم ازاo وہ انہیں بھڑکاتے رہتے ہیں۔ فلا تعجل علیھم ۔اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے' کسی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے کہ انجام کار کفر کا خاتمہ یقینی ہے۔ ظلم کا خاتمہ یقینی ہے۔ بُرائی ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ انما نعد لھم عداo ہم نے اُن کے بھی دن شمار کر رکھے ہیں۔ اُن کے پاس بھی محدود وقت ہوتا ہے۔ کسی کے پاس بے حساب وقت نہیں ہے فرصت نہیں ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان مسلمان ہوتے ہوئے۔ ایمان رکھتے ہوئے ایمان کا اقرار کرتے ہوئے اگر اپنا کردار کافروں جیسا بنا لے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

من ترک صلوۃ متعمداً فقد کفر.

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اُس نے کفر کیا۔

جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اُس نے کفر کیا۔

او کماقال رسول اللہ ﷺ علمائے حدیث اور شارحین حدیث جب اس حدیث کی شرح فرماتے ہیں۔ علماء کے نزدیک ترک صلوۃ کفر نہیں فسق ہے۔ گناہ ہے۔ اگر کوئی جان بوجھ کر نماز نہیں ادا کرتا' فرائض پنجگانہ ادا نہیں کرتا' یا ایک چھوڑتا ہے دو چھوڑتا ہے تو بلا عذر شرعی صلوۃ پنجگانہ میں سے کسی طرح کی کوتاہی کرنا فسق ہے' گناہ ہے۔ لیکن حدیث شریف میں الفاظ آئے ہیں۔ فقد کفر . کہ اُس نے کفر کیا تو شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ عبادت کی اہمیت نہ سمجھنا اور اُسے ترک کر دینا یہ کافروں جیسا کام ہے۔ فقد کفر. کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافر ہو گیا ۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد عالی سے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے اُس نے کافروں جیسا کام کیا۔

اب جب مسلمان کافروں جیسے کام کرے گا۔ اعمال کے لئے غذا بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ یایھا الرسل کلوا من الطیبت واعملوا صالحا. قرآن حکیم میں انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے ارشاد ہوتا ہے اور قرآن حکیم کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بات ہر فرد کے لئے ضروری ہو اُس میں انبیاء کرام ﷺ کو مخاطب فرمایا جاتا ہے۔ جیسے آج آپ یہ کہیں کہ ملک کا یہ قانون جو ہے یہ صدر پر بھی لاگو ہوگا۔ اس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے۔ ملک کے سربراہ پر بھی' وزیر اعظم پر بھی' یہ قانون لاگو ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی بھی ملک کا شہری اُس سے بچتا

نہیں ہے اُس پر لاگو ہوتا ہے۔ اس طرح قرآن حکیم کا انداز تخاطب ہے۔ یایھا الرسل۔ اے گروہ انبیاء علیھم السلام کلو من الطیبٰت ۔ پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ واعملو صالحًا اور نیک کام کرو۔عمل صالح کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی غذا پاک ہوگی۔ اب پاک میں حلال تو پہلے درج میں رہ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز حلال ہو لیکن رکھنے میں' بنانے میں' سنبھالنے میں' اُس میں کوئی ناپاک مل گئی ہو۔ ایک دودھ کا گلاس ہے ہم نے اپنی گائے کا' اپنی بھینس کا' نکالا۔ حلال ہے ہوسکتا ہے اُس میں گوبر مل گیا ہو' ناپاک ہوگیا ہو۔تو حلال بھی ہو اور وہ ناپاک ہو جائے تو نہ کھایا جائے۔

کلو من الطیبٰت . پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ اُس کی بنیادی شرط ہے کہ پہلے تو حلال ہو پھر وہ پاک ہو'طیب ہو' اعملوا صالحاً. اور صالح عمل کرو۔ اس کا مطلب ہے کہ عمل صالح کا مدار پاکیزہ غذا پر ہے۔ جو حلال بھی ہو اور پاک بھی ہو۔

صوفیائے کرام اور صاحب حال بزرگ جو ہوتے ہیں اکثر کو دیکھا کہ جو عورت نمازی نہیں ہوتی اُس کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے۔ اب اس میں کیا رکھا ہے؟ مسلمان تو ہے اور کھانا تو مطلق انسان کا جو ہے درست ہے۔ انسان کا جھوٹا ناپاک نہیں ہے اگر کافر بھی ہو تو شرعاً تو اُس پہ کوئی قباحت نہیں۔ کافر کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز بھی کھائی جاسکتی ہے۔ کافر کی بچی ہوئی چیز بھی کھائی جاسکتی ہے۔ کافر کا بچا ہوا پانی پیا جاسکتا ہے چونکہ مطلق انسان جو ہے اُس کا جھوٹا ناپاک نہیں ہوتا۔تو مسلمان ہے اگر اُس نے نماز نہیں پڑھی تو کیا ہوا؟ فرماتے ہیں شرعاً تو اجازت ہے گناہ نہیں ہے لیکن یہ جو نماز نہ پڑھنے کا کام ہے یہ کافروں جیسا ہے اس کی ظلمت اور سیاہی بھی ایسی ہوتی ہے۔ جیسی کفر میں ہوتی ہے اور جب اُس کے ہاتھ سے کھانا بنتا ہے تو گناہ بے شک نہ ہو لیکن قلب پہ نحوست اور تاریکی ضرورت آتی ہے۔

حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیں بازار کی چیزیں کھانے سے منع فرماتے تھے اور اُس کی وجہ خرید نہیں سکتے تو وہ جو حسرت بھری نگاہ ہے اور محرومی کی جو نظر ہے وہ اس میں ایک نحوست پیدا کر دیتی ہے جو ذاکر کے لئے اور صاحب حال کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور اس سے قلب پہ نحوست آتی ہے۔

اب اگر یہ اتنا نازک معاملہ ہے اور اس کا کردار کے ساتھ اتنا گہرا تعلق ہے تو جس معاشرے میں حلال حرام کی تمیز ہی اٹھ جائے۔ جس میں صرف پیسے کو دیکھا جائے اور یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ کہاں سے آرہا ہے؟ اور کس طرح آرہا ہے؟ یہ حلال ہے یا حرام ہے تو اُس میں

عبادت کی اہمیت نہ سمجھنا اور اُسے ترک کر دینا یہ کافروں کا فعل ہے۔

سے یہ بتاتے تھے کہ حلال پیسے سے بھی خریدو۔ بیچنے والا بھی جائز بیچ رہا ہو لیکن سارا دن بے شمار مساکین کی نظر اُن پہ پڑتی ہے جو کھا نہیں سکتے۔ قوت خرید نہیں رکھتے۔ حسرت سے دیکھتے ہیں حالانکہ وہ بھی اسی ملک کے شہری ہیں۔ اُن کا بھی حق بنتا ہے کہ انہیں بھی یہ چیزیں نصیب ہوں۔ تو اس نظام میں جو خامیاں اور کوتاہیاں ہیں اُس نے انہیں عام آدمی کی پہنچ سے اتنا دور کر دیا ہے کہ اُن کا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بچوں کے لئے یہ فروٹ لے جاؤں لیکن لے نہیں سکتے۔ یہ مٹھائی میں کھالوں یا بچوں کے لئے لے جاؤں آپ کسی اچھے کردار کی توقع نہیں رکھ سکتے۔

پچھلے دنوں بات ہو رہی تھی ملک کے اندر جو دہشت گردی ہو رہی ہے'قتل عام ہو رہا ہے' مساجد میں گولی چلتی ہے' بازار میں گولی چلتی ہے' ایسے لوگ مارے جاتے ہیں جنہیں پتہ بھی نہیں کہ ہمیں کیوں مار دیا؟ کس نے مار دیا؟ بالکل جن کا اُس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بے چارے مارے جاتے ہیں۔ تو یہ نہیں ہونی چاہئے۔ کیسے نہیں ہوگی؟ اسے روکنے کا کیا طریقہ ہے؟ بڑا اچھا طریقہ ہے کہ انصاف ہو۔ مجرموں کو تلاش کیا جائے اور مجرموں کو سزا

دی جائے لیکن اس سے پہلے ایک طریقہ اور بھی ہے جو اس سے زیادہ ضروری ہے کہ لوگوں کو ضروریات زندگی فراہم کرنے میں آسانیاں پیدا کی جائیں۔ لوگوں کے معاش کے حصول میں آسانیاں پیدا کی جائیں اور لوگوں کو حلال رزق مہیا ہو۔ اگر حلال رزق نہیں کھائیں گے رشوت یا چوری سے پلیں گے یا چھین کر کھائیں گے تو انہیں آپ سزا بھی دیتے رہیں اُن کی اصلاح نہیں ہوگی۔

اصلاح تو انداز فکر کی ہوتی ہے۔ صرف جسمانی سزا سے اصلاح تو نہیں ہوتی۔ غذا صالح اور پاکیزہ نہیں ہوگی حلال نہیں ہوگی تو اُس پر ہے وہ اُس کے کردار کو مسخ کرتا ہے۔ جب اُس کا کردار غیر صالح ہوتا ہے کافروں جیسا ہوتا ہے تو ویسے ہی اُس پر بھی شیاطین مسلط ہو جاتے ہیں۔ شیطان کے مسلط ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کی سوچ تخریبی بن جاتی ہے وہ بھلائی نہیں سوچتا، جس کی بھی سوچتا ہے بُرائی سوچتا ہے' اُس کو قتل کر دیا جائے' اُس کا مال چھین لیا جائے۔ اُس کو بے عزت و رسوا کر دیا جائے' اُس کے خلاف یہ کر دیا جائے چونکہ شیطان اُسے کوئی تعمیری مشورہ تو نہیں دے گا۔ اور یہ قانون فطرت ہے جیسے آپ کیکر بوئیں گے تو اُس پر کانٹے اُگیں گے اس طرح فعل کا فرانہ ہوگا تو تھے اُس وقت جب آپ کاغذات پر دستخط کرتے تھے تو اربوں کی ٹرانزکشن ہو جاتی تھی۔ اربوں روپے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر آپ کے ایک دستخط پہ ہو جاتے تھے۔ اربوں روپے جمع ہو جاتے تھے' ڈیپازٹ ہو جاتے تھے۔ اربوں روپے وہ بنک کسی کو دے بھی دیتا تھا قرضے بھی دیتے تھے اُن کا اپنا کیش بھی واپس ہوتا۔ آپ اب بھی بنک کے ملازم ہیں کہ آپ ہر مہینے بنک سے پیسہ لے رہے ہیں۔ پنشن کی صورت میں' تنخواہ نہ سہی پنشن سہی۔

> اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ظلم سے باز آجائو۔

حضرت جی رحمتہ اللہ تعالیٰ ہمیں بازار کی چیزیں کھانے سے منع فرماتے تھے

کردار نہیں بن سکے گا۔

تو جب مومن بھی اپنے دعوٰی ایمان کے باوجود کردار کافروں جیسا اپنا لیتا ہے مثلاً حلال حرام کی پرواہ نہیں کرتا تو یہی بنیادی فرق ہے مومن اور کافر میں، کہ مومن کے لئے حدود و قیود ہیں۔ حصول رزق کے ذرائع متعین ہیں اور حلال حرام کی قید ہے کافر کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ وہ سود لیتا ہے اور لیتا رہے اُس پر تو حلال نہیں ہے رشوت لیتا ہے اُس کی مرضی۔ چوری کرتا ہے اُس کی مرضی لیکن مومن جب حرام کھاتا اُس پر شیاطین مسلط ہوں گے۔

کل پرسوں میں غالباً باہر بیٹھا تھا ہمارے ایک بڑے اچھے ساتھی ہیں یونائیٹڈ بنک میں مینجر تھے۔ اُس سے ریٹائر ہوئے وہ میرے پاس بیٹھے تھے مجھے کہنے لگے سمجھ نہیں آتی کہ ہم مسلمانوں پہ اتنا زوال کیوں ہے؟ کہ مسلمان دنیا میں جہاں کہیں ہیں رسوا اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ مارے جا رہے ہیں۔ ہماری کوئی حیثیت باقی نہیں رہی۔ تو میں نے انہیں کہا جی آپ یونائیٹڈ بنک میں مینجر تھے اور پھر بڑے اچھے گریڈ میں پنشن بھی تو ایک تنخواہ ہے۔ جس میں کام نہیں کرنا ہوتا کام وہی جو آپ آج تک کر چکے ہیں لیکن وہ تنخواہ آپ کو ساری عمر ملتی رہے گی تو آپ ملازم تو بنک کے آج بھی ہیں۔ آج آپ کے دستخط سے ٹرانزکشن ہوگی۔ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا بس یہی حال ہمارا ہے ہم مسلمان تو الحمدللہ ہیں لیکن پنشن پر ہیں ہم حاضر سروس نہیں۔ اسلام کے جو تقاضے ہیں وہ ہم پورے نہیں کرتے۔ بنیادی بات رزق حلال ہے جس کی ہم پرواہ نہیں کرتے۔ ہمیں صرف پیسہ چاہیے کہاں سے مل رہا ہے کیسے مل رہا ہے؟ اب دہشت گرد کو بھی یقیناً

کہیں سے پیسہ ملتا ہے۔

اب جن دولوگوں نے کل صدر پاکستان پر حملہ کر کے جانیں دی ہیں میرا دل تو نہیں مانتا کہ وہ مفت میں مارے گئے ہوں گے۔ وہ تو شاید صدر صاحب کو جانتے بھی نہ ہوں۔ اُن کا مقصد تو صرف یہ ہوگا کہ ہم مرجائیں گے لیکن چلو ہم خاندان کو اتنی دولت دے جاتے ہیں۔ بچے تو مزے کریں گے اس کے علاوہ شاید مرنے والوں کو کوئی دلچسپی نہ ہو کہ صدر صاحب رہیں یا مریں۔ کسی نے انہیں خریدا ہوگا۔ کسی نے انہیں دولت دی ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ پورا ملک تباہ ہو جائے ۔ ایک اسلامی ریاست جو ہے اُس کی بنیادیں ہل جائیں۔ اُس کا صدر مارا جائے اور کچھ پیسے مل جائیں تو کیا یہ مسلمانی ہے؟ اگر مسلمانی ہے تو پھر وہی بات ہے کہ مسلمان حاضر سروس نہیں ہے پنشن پر ہی ہے۔

ہمارا عالم یہ ہے کہ الحمدللہ ہم مسلمان تو ہیں لیکن عنداللہ ہم حاضر سروس نہیں ہیں۔ ہم مسلمان ہیں، ہم حرام نہیں کھائیں گے، ہم مسلمان ہیں ہم جھوٹ نہیں بولیں گے، ہم مسلمان ہیں، ہم کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کریں گے، ہم مسلمان ہیں ہم خونِ ناحق نہیں کریں گے، یہ بات نہیں ہے اسی لئے تو یہ جو بسوں میں اور جو سڑکوں پہ دھماکے ہوتے ہیں میری معلومات کے مطابق جہاں تک میں نے سنا یہ تو دو دو سو روپے میں لوگ بک جاتے ہیں کہ یہ بیگ وہاں بس میں چھوڑ آنا یہ دو سو روپے لے لو وہ دو سو لے لیتا ہے۔ اُس میں چھوڑ آتا ہے۔ خواہ اُس سے پچاس بندے مر جائیں تو اُس وقت شاید اُس کے لئے وہ دو سو روپے بھی انتہائی ضرورت کا ہوتا ہوگا۔ پہلی خرابی تو ہمارے ایمان کی ہے اور شاید اسی ایمان کی خرابی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے نظام بھی درست نہیں چلتے۔ آدمی نے نظام چلانا ہوتا ہے ۔اللہ کا دیا ہوا نظام ہو یا بندے کا اپنا بنایا ہوا لیکن اُسے چلانا انسان نے ہی ہوتا ہے اور وہ انسان خود ہی صحیح نہ ہو۔

ہمارا عالم یہ ہے کہ الحمدللہ ہم مسلمان تو ہیں لیکن عنداللہ ہم حاضر سروس نہیں ہیں

ایک آدمی کی نظر نہیں ہے اُسے آپ سٹیرنگ پہ بٹھا دیتے ہیں تو وہ کیا گاڑی چلائے گا؟ اسی طرح جب انسان میں اللہ سے دوری آتی ہے تو اُس کی انسانیت اُس سے منفی ہوتی جاتی ہے اور اُس کی جگہ حیوانیت اور درندگی آجاتی ہے۔ تو یہ اصل سزا تو کافر کی تھی مجھے بھی اکثر لوگ لکھتے ہیں ایک انگریزی کا چھوٹا سا جملہ ہے Take Care اب اردو اُس کا ہو گیا۔ اپنا خیال رکھیے گا اور میرے خطوں میں بھی اکثر ہوتا ہے تو پھر بعض لوگوں کو چڑ کر میں جواب میں لکھ بھی دیتا ہوں۔ غصے سے لکھ دیتا ہوں کہ بھئی یہ Take Care اپنا خیال رکھیے یہ کافروں کا جملہ ہے اس لئے کہ عالم کفر میں کوئی دوسرے کی فکر نہیں کرتا تو وہ کہہ دیتے ہیں اپنا خیال خود ہی رکھیے۔ مرو یا جیو ہمیں تمہاری پرواہ نہیں ہے۔ اس لئے اپنا خیال خود رکھیے گا یہ اُس معاشرے کا ہے جہاں بھائی، بہن کو نہیں پوچھتا، بیٹی ماں کو نہیں پوچھتی، باپ بیٹی کا وارث نہیں بنتا۔ اُن کافر معاشروں کا عالم یہ ہے کہ بچے کو بالغ ہونے تک وظیفہ ملتا ہے۔ بالغ ہونے تک والدین اُسے گھر رکھتے ہیں۔ بیٹی ہو یا بیٹا جس دن سرکاری وظیفہ بند ہو جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں بھئی گھر میں رہنا ہے تو مکان کا کرایہ اتنا ہوگا۔ کھانے کا خرچ اتنا ہوگا کہاں سے لاؤ گے یہ تمہارا مسئلہ ہے اور نہیں دے سکتے تو گھر چھوڑ دو اور جاؤ دنیا کھلی پڑی ہے۔ تو کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔

مجھے کراچی میں ایک لڑکا ملا مدرسے میں مسلمان ہو گیا تھا۔ غالباً سویڈن کا تھا ناظم آباد مدرسے میں میں گیا تو وہاں ملا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ بھئی آپ کے والدین کیسے ہیں کہاں ہیں۔

I Do`t know, what would your parents مجھے تو کوئی علم نہیں کیوں They just kicked me out and shut the door.

انہوں نے مجھے دھکا دے کر نکالا اور دروازہ بند کر دیا۔ اب اُس کے بعد میں تو نہیں گیا یعنی کافر معاشرے میں انسان انسان نہیں رہتا۔ درندہ بن جاتا ہے۔ جس طرح کتا کتے کو کاٹتا ہے۔ جانور جانور کو کاٹتا ہے۔ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوسرے کا خون بھی کرتا ہے۔ دوسرے کی جگہ بھی چھینتا ہے۔ یہی حال اللہ سے دوری کے سبب عالم کفر کا بن جاتا ہے اور وہ تخریب کاری سوچتے رہتے ہیں۔ کہاں کریں؟ کس کے ساتھ کریں؟ کس کو تباہ کیا جائے؟ کس کو اجاڑا جائے؟ کس کے ساتھ زیادتی کی جائے؟ اس لئے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

انا ارسلنا الشیطین علی الکفرین توذھم ازاہ ہم کافروں پر شیاطین کو بھیج دیتے ہیں جو انہیں برا انگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ جو انہیں بھڑکاتے رہتے ہیں۔ اب کافر کا ایک عقیدہ' ایک عمل ہے اگر مومن بھی عقیدہ رکھنے کے باوجود عمل کافر جیسا کرے گا تو اُس عمل پر اُس کے ساتھ بھی شیاطین ہی کی محفل بنے گی۔ وہ اُسے برائی اور دوسروں کے دکھ اور پریشانی کیطرف اکساتے چلے جائیں گے۔

رات ٹیلی ویژن پہ بڑی اچھی بحث ہو رہی تھی علمائے کرام بھی تھے' سامعین بھی تھے اور وہ کمپیر جو تھا بحث یہی چل رہی تھی کہ یہود نصاریٰ کے بارے قرآن کا حکم کیا ہے؟ بات مفتی صاحب نے بڑی اچھی بتائی وہ ہلال کمیٹی کے چیئرمین ہیں کہ باقی کافروں سے قرآن حکیم نے انہیں الگ سٹیٹس دیا ہے اور انہیں اہل کتاب کہا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حکم دیا ہے کہ یہود نصاریٰ سے دوستی نہ کرو اور جو اُن سے دوستی کرے گا اُس کا انہی میں شمار کیا جائے گا۔ وہ انہی میں سے ہوگا۔ اس لئے کہ ایمان اور اسلام کے ساتھ یہ دوستی نہیں کرتے جو دوستی کرے گا وہ اُن جیسا ہی ہوگا۔ اب میں سوچ یہ رہا تھا علماء تو علماء ہیں ان کا تو ایک اپنا مخصوص لباس ہوتا ہے۔ لیکن سامعین میں اکثر اور جو صاحب وہ کمپیرنگ کر رہے تھے وہ سرتاپا انگریز بنے ہوئے تھے۔ داڑھی صاف ہے۔ مونچھیں صاف ہیں۔ نکٹائی لگی ہوئی ہے۔ پتلون وہ سارا سراپا انگریز بنے ہوئے تھے جو یہود و نصاریٰ کا لباس ہے۔ جو اُن کا حلیہ ہے۔ وہ سارا تھا اور ساتھ ساتھ قرآن بھی دہرائے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ان جیسا نہیں ہونا چاہیے کیسی عجیب بات ہے؟ مجھے تو بڑی عجیب بات لگی کہ آپ کی اپنی کوئی شناخت نہیں' آپ کا اپنا کوئی لباس نہیں' اور عجیب بات ہے کہ آپ شلوار قمیض میں سڑک پہ کھڑے ہو جائیں گاڑی والا پیسے لے کر نہیں بٹھاتا۔ دھکے دیتا ہے کسی دفتر میں، عدالت میں، کورٹ میں جائیں اندر گھسنے کوئی نہیں دیتا۔ آپ ایک پرانی پتلون لنڈے کی پہن کر اُس پر کوئی کوٹ' شرٹ' پہن کے ٹائی لگالیں جہاں مرضی چلے جائیں صاحب سلام صاحب سلام۔ جو آپ کو دیکھے گا سلام کرے گا اور پھر کہتے ہیں کافروں کا یہاں مقابلہ کرو۔ مقابلہ کیسے کرو گے؟ کونسا مقابلہ کرو گے؟

اگر مسلمان کہلانے والوں کا عالم یہ ہو جائے کہ وہ اپنی شناخت کفار میں گم کر دیں۔ پتلون پہننا جرم نہیں ہے لیکن جب کسی کی قومی شناخت بن جائے تو پھر اُس قوم کے ساتھ مختص ہو جاتا ہے۔ پھر وہ تشابہت بن جاتی ہے اور کافر سے مشابہت جرم ہے۔ کل خط میں ایک سوال تھا

جب انسان میں اللہ سے دوری آتی ہے تو اُس کی انسانیت اُس سے منفی ہو جاتی ہے۔

کہ جی میں جمعے کا روزہ رکھنا چاہتا ہوں مجھے کسی نے کہا ہے کہ اکیلا نہیں رکھو دو رکھا کرو۔ ایک روزہ رکھنا گناہ ہوتا ہے۔ میں کہا بھائی! ایک گناہ کا **Concept** روزہ رکھنا گناہ نہیں ہے۔ یہود کا طریقہ تھا کہ وہ عشرہ محرم کا دسویں محرم کا ایک روزہ رکھا کرتے تھے تو رمضان فرض نہیں تھا ابھی روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو مسلمانوں نے بھی چاہا کہ ہم بھی عشرہ محرم کی دسویں کا روزہ رکھیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اکیلا روزہ مت رکھو کہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ پائی جائے۔ اب آپ اس سے اندازہ لگالیں کہ اگر روزہ رکھنا درست بھی ہے' جائز بھی ہے' لیکن ایک چونکہ یہودی رکھتے ہیں مسلمان کو ایک نہیں حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ دو رکھو تین رکھو اُن جیسا روزہ بھی نہ رکھو۔ پھر اُن جیسا لباس پہننا کونسی عزت کا سبب ہوگا۔ اُن جیسا حلیہ بنانا اور سنت رسول اللہ ﷺ کو صاف کر کے مونچھ داڑھی منڈوا کے اُس طرح کا نظر آنا کونسی نیکی ہوگی؟

تو جب ہم میں اتنی بھی غیرت ایمانی نہیں رہی کہ کم از کم ہماری شناخت تو الگ ہو۔ ہمارا کردار ہمارا، حصول رزق کا طریقہ' ہمارا پیسے خرچ کرنے کا طریقہ' ہمارا لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے کا طریقہ' اسلام کا پابند ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا پابند ہے سنت کا پابند ہے اور ہم بے بس ہیں کہ ہم اُس سے باہر نہیں جا سکتے۔ اس لئے کہ ہم نے کلمہ پڑھا ہے۔ اللہ نے مومن کو حزب اللہ کہا ہے مسلمان اللہ کی فوج ہے۔ یہ اللہ کی فوج ہے۔ اب آپ دیکھ لیں ہندوستان کی فوج میں مسلمان بھی ہیں۔ اعلیٰ عہدوں پر بھی ہیں لیکن پاکستان ہندوستان کی گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ سے آپس میں دشمنی چل رہی ہے۔ تو کیا کوئی پاکستانی فوجی ہندوستانی وردی پہن لے تو اُسے قبول کیا جائے گا؟ کیا حرج ہے؟ بھائی لباس ہی ہے۔ وہی پتلون شرٹ ہے۔ ہمارا چاند تارا ہے انہوں نے وہ تین اوپر کوئی بھیڑیے سے کیا بنا رکھے ہوتے ہیں جو اُن کا چاند تارے کی جگہ ہے۔ اگر ہمارا کوئی افسر رینک کندھے پہ لگالے اُس کا تو کورٹ مارشل کریں گے اور اگر ہم سراپا عیسائیوں یا یہودیوں جیسے بنے ہوئے ہوں تو عنداللہ ہم پر کونسی برکات آتی ہوں گی؟ وہی شیاطین جو اُن پر اترتے ہیں وہی ہم پر بھی آئیں گے۔ وہی منفی سوچ جو اُن کی ہے وہی سوچ ہماری ہو جائے گی اور وہی کردار جو اُن کا ہے وہی ہمارا ہو جائے گا۔

> **کافر معاشرے میں انسان انسان نہیں رہتا درندہ بن جاتا ہے۔**

ابتدائے اسلام میں کتنے غزوات ہوئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ میں، خلفائے راشدین کے زمانے میں کتنی جنگیں ہوئیں۔ ہر جہاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمادیا تھا کہ کسی کا عبادت خانہ نہ اجاڑا جائے اور جو لوگ عبادت خانے میں بیٹھے ہوں انہیں چھیڑا نہ جائے۔ فصلیں نہ اجاڑی جائیں' پھلدار درخت نہ کاٹے جائیں' روزی کے وسائل کافر کے بھی تباہ نہ کئے جائیں۔ آج اگر کوئی مسلمان کہلاتا ہے اور اپنی مساجد میں گولیاں بھی چلاتا ہے' عبادت گاہوں میں بم بھی پھینکتا ہے' پھر کیسا مسلمان ہے؟ اسلام تو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ سر بازار کسی کو گولی مار دیتا ہے اور حالت جنگ میں حضور ﷺ کا حکم یہ ہے کہ جو مقابلے کے لئے تلوار نہ اٹھائے اُس پر وار مت کرنا اُس سے لڑو جو مقابلے میں آتا ہے۔ یہاں جو غریب مزدوری کرنے جاتا ہے۔ دال آٹا خریدنے جاتا ہے وہ گولیوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اب یہ کل کے حادثے میں جو چودہ لوگ مارے گئے۔ بیچارے جو پچاس کے قریب زخمی ہوئے اُن کا کیا قصور تھا؟ انہیں تو یہ پتہ بھی نہیں حادثہ کرنے والا کون ہے؟ اور نہ جس نے مارا ہے وہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہیں؟ اسلام تو اس کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ جب انتخاب کا موقع آتا ہے ہم ٹکے ٹکے میں بکتے ہیں۔ کوئی تو قیمت لے کے بکتا ہے اکثریت امیدوں پہ بک جاتی ہے کہ یہ جب بن جائیں گے تو میرا بڑا بھلا ہوگا۔ یعنی عجیب بات ہے کہ ہم ادھار پہ بکتے ہیں۔ یہ ادھار کا سودا ہے کہ یہ

پارٹی حکومت میں ہوگی تو مجھے بڑا فائدہ پہنچائے گی۔اب پہنچائے گی یا نہیں پہنچائے گی یہ تو بعد کی بات ہے۔ادھار وصول نہیں ہوگا۔تو میرے خیال میں ننانوے فیصد وہ اُدھار پہ بکتے ہیں ایک فیصد ہوشیار ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ جی نقد دو تو پھر ہم ووٹ دیں گے۔

ہمارے ایمان کا' ہمارے کردار کا' اور ہماری سوچ کا یہ عالم ہے۔یہ سوچ فرشتے کی تو نہیں ہوسکتی' یہ سوچ اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے تو نہیں آسکتی۔اس کا مطلب ہے کہ ہماری سوچوں پہ بھی شیاطین مسلط ہیں۔یہ جو ہماری سوچ ہے یہ شیطان کی سوچ ہے' یہ برائی کی سوچ ہے' یہ جھوٹ کی سوچ ہے' یہ دھوکے کی سوچ ہے۔اپنے آپ کے ساتھ بھی دھوکا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی دھوکا ہے۔تو قرآن حکیم یہ نصیحت فرما رہا ہے کہ یاد رکھو! کافر کے عقیدے اور کافر کے عمل کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ اُس پر بہت سے شیاطین بھیج دیتا ہے اور وہ شیطان اُسے ہر وقت برانگیختہ رکھتے ہیں۔کسی نہ کسی کے خلاف وہ سوچتا رہتا ہے۔جس کی سوچ منفی ہوجائے اُسے اپنے کردار پہ نظر کرنی ہوگی۔اپنی روزی پہ نظر کرنا ہوگی۔کہ میں کیوں بُرائی سوچتا ہوں؟ یہ تو کوئی شیطان ہے جو مجھ پہ مسلط ہے۔جو مجھے دوسرے کو تکلیف دینے کی بات بتا رہا ہے۔دوسرے کا نقصان کرنے کی بات کر رہا ہے۔یہ تو شیطان ہے فلا تعجل۔ بندہ مومن سے فرماتا ہے کہ گھبرانے کی بات نہیں۔کسی جلد بازی کی ضرورت نہیں اس لئے۔ انما نعد لھم عداً o ہم نے اُن کے دن گن رکھے ہیں۔کفار کو وقتی اور لمحاتی مہلت ملی ہوئی ہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ روئے زمین پہ جو ظلم ہو رہا ہے' نسل انسانی جو تباہی کی طرف جا رہی ہے' روحانی اعتبار سے بھی اور مادی اعتبار سے بھی کفر پھیلتا جا رہا ہے۔لوگوں کے ایمان تباہ ہو رہے ہیں اور روحانیت ختم ہو رہی ہے مادی طور پر بھی لوگ افلاس میں' بھوک میں' بیماریوں میں'

یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو اور جو اُن سے دوستی کرے گا اُس کا انھی میں شمار کیا جائے گا۔

قتل و غارت گری میں اور گولیوں کی بوچھاڑ میں مر رہے ہیں اس کی ذمہ داری اُن لوگوں پہ آتی ہے جو اسلام کے دعوے دار ہیں۔اس لئے کہ دنیا کو امن فراہم کرنا یہ مسلمان کے فرائض میں سے ہے کافر تو ایسا نہیں کرے گا۔

نبی کریم ﷺ نے جو قوم تیار فرمائی۔جو فوج تیار کی اور جو خدام تیار کئے جن لوگوں نے آپ ﷺ سے پڑھا اور سیکھا۔سبحان اللہ کیا یونیورسٹی تھی' کیا ادارہ تھا' ایک ہی معلم تھا ﷺ ایک ہی استاد تھا' جس نے سپاہی بھی بنائے' جرنیل بھی بنائے' جس نے مفتی بھی بنائے' مفسر بھی بنائے' جس نے عابد بھی بنائے' زاہد بھی بنائے' ولی بھی بنائے' صحابہ بھی بنائے' ایک ہستی کا فیض عام تھا اور جو لوگ اُس یونیورسٹی سے فارغ ہو کر نکلے تو جزیرہ نمائے عرب پر تو اسلام کی حکومت نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال سے پہلے قائم ہوگئی تھی۔پھر انہیں باقی دنیا کے ساتھ لڑنے کی ضرورت کیا تھی؟ بھئی تمہارا اپنا جو ملک عرب ہے وہ مسلمان ہوگیا تو ٹھیک ہے۔اُس پہ اسلام نافذ بھی ہوگیا۔عدل و انصاف بھی ہوگیا۔اسلام جو چاہتا تھا اللہ کے حبیب ﷺ کی منشا تھی پوری ہوگئی اب باقی دنیا کے تم ٹھیکیدار ہو کہ تم تلواریں گھوڑے لیکر نکل پڑے۔،ہوا اور ساری دنیا کو' کیوں دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہو۔فرمایا نہیں ہم دنیا کو فتح نہیں کرنا چاہتے۔لوگوں کا مال نہیں چھیننا چاہتے' لوگوں کو قتل نہیں کرنا چاہتے' ہم تو ظلم کو روکنا چاہتے ہیں اور دنیا کو امن دینا چاہتے ہیں ہم لوگوں کے خلاف نہیں ظلم کے خلاف نکل رہے ہیں۔ظلم جہاں ہوگا وہاں ہم اُس کا تعاقب کریں گے اور لوگوں کو عدل فراہم کریں گے امن فراہم کریں گے۔لہذا جہاں بھی اسلامی فوج جاتی تھی وہ پیغام بھیجتی تھی کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ نظام اسلام اور عدل اسلامی نافذ کر دو تو ہمارے بھائی ہو ہم واپس جاتے ہیں تم جانو تمہارا کام جانے۔اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے تو ظلم سے باز آجاؤ' جو زیادتی ہوتی ہے اس کی نشاندہی ہم کریں گے۔اور وہ زیادتی روک دو تم کلمہ پڑھو نہ پڑھو ہمیں تم ٹیکس دو گے ہم تم پر نگران مقرر کریں گے۔جو یہ دیکھیں گے کہ تم زیادتی نہ

کرو۔ تم جانو تمہارا ملک جانے۔ رہو یہ بھی نہیں منظور تو پھر تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کردے گی' پھر جس کے پاس ملک ہوگا۔ وہ ذمہ دار ہوگا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں پچیس لاکھ مربع میل اور بعض روایات میں ستائیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔ پینتیس ہزار مشہور قلعے اور بہت بڑے بڑے شہر اُس علاقے میں تھے۔ لشکر اسلامی افریقہ سے لیکر سائبریا اور ہسپانیہ سے لیکر چین تک پہنچ گیا کوئی شخص حادثاتی طور پر نہیں مرا، وہی مرے جنہوں نے میدان میں مقابلہ کیا۔ کسی شہر کو لوٹا نہیں گیا کہ فاتح فوج نے شہر لوٹ لیا ہو۔ کسی کی عزت نہیں لوٹی گئی۔ کسی کا مال نہیں چھینا گیا۔ غنیمت میں وہ مال ہوتا تھا کہ جو لڑ رہے ہیں اُن کا مال ضبط ہوتا تھا۔ کنیزیں اور غلام اُن کا خاندان بنتا تھا۔ جو لڑ رہے ہیں۔ جو لڑائی میں حصہ نہیں لیتے تھے انہیں کوئی نہیں پوچھتا تھا اور اسلام میں کافر کو بھی امن اور انصاف نصیب ہوا۔

اب اگر روئے زمین پر ظلم ہو رہا ہے تو بتایئے اس کا ذمہ دار کون ہے؟ روکنا کس کو تھا کون ہے اللہ کا فوجی؟ کون ہے اللہ کا سپاہی؟ جس نے زیادتی کو روکنا تھا۔ یہاں قتل ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں جی بندے مرتے رہے' لڑائی ہوتی رہی' لاٹھیاں چلتی رہیں' گولیاں چلتی رہیں اور جب بندہ مر چکا تو پولیس پھر آئی۔ بھئی پولیس کا رشتہ دار ہے ہم نے اُسے کیوں نہیں بچایا؟ اس لئے کہ پولیس کے فرائض میں سے ہے کہ لوگوں کا تحفظ کرے۔ ہم کہتے ہیں پولیس کیوں نہیں آئی؟ دنیا کو امن فراہم کرنا تو مسلمان کے فرائض میں ہے اگر دنیا پہ تباہی ہو رہی ہے تو مسلمان کہاں ہے؟ مسلمان بھی یہود و نصاریٰ کے ڈربے میں گھسا ہوا ہے۔ مسلمان نے بھی وہی چادر اُوڑھ لی ہے۔ وہی کھانا پینا بنالیا ہے۔

ابھی کل پرسوں اکتیس دسمبر ہوگی اور آپ کی اسلامی ریاست کے تمام بڑے بڑے شہروں میں دھوم دھام سے بدکاری ہوگی' شراب پی جائے گی' ساری رات لوگ ناچیں گے' یہ آپ نے کہاں سے لیا۔ لاہور' اسلام آباد' کراچی کے بڑے بڑے ہوٹل بک ہو چکے ہیں۔ ٹنوں کے حساب سے شراب پڑی ہے۔ کون پینے آئے گا عیسائی یہودی آئیں گے' اگر مسلمان کا کردار یہ ہوگا تو اُس پر بھی شیطان ہی مسلط ہوگا۔ تخریب کاری ہی سوچے گا۔ بُرائی ہی سوچے گا۔ تعمیر وطن کی بات کرتے ہو دنیا کی تعمیر کے مکلّف ہو ساری دنیا مسلمان کا وطن ہے۔

> **لوگ قتل و غارت گری اور گولیوں کی بوچھاڑ میں مر رہے ہیں اس کی ذمہ داری اُن لوگوں پہ آتی ہے جو اسلام کے دعوے دار ہیں اس لئے کہ دنیا کو امن فراہم کرنا یہ مسلمان کے فرائض میں سے ہے**

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

روئے زمین ہمارا ملک ہے۔ ہمارے رب کی زمین ہے۔ کسی کے باپ کی نہیں ہے کسی کے باپ نے نہیں بنائی۔ ہمارے پروردگار نے بنائی ہے جسے ہم مانتے ہیں۔ کافر تو اُسے مانتا نہیں' ساری دنیا ہمارا وطن ہے۔ ساری زمین ہمارا گھر ہے اور اُس میں قیام امن کی ذمہ داری بندہ مومن کے ذمہ ہے۔ کافر کیا امن قائم کرے گا؟ جس پر شیاطین مسلط ہیں اور جو ہمیشہ خرابی اور بُرائی کا سبق اُسے دیتے رہتے ہیں۔ لیکن خدانخواستہ مسلمان کافر جیسا کردار اپنا لے تو یہ خود شیاطین کا شکار ہو جاتا ہے دوسرے کا بھلا کیا کرے گا؟

اب ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم جو کچھ سنتے ہیں' جو پڑھتے ہیں وہ دوسرے پہ فٹ کر کے دیکھتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اُسے اپنے آپ پہ فٹ کر کے پہلے دیکھنا چاہیے کہ کیا میری سوچیں مثبت ہیں۔ میں غلط تو نہیں سوچ رہا' نہیں کیا میں اللہ کے اور اللہ کے حبیب ﷺ کے احکام ماننے کی بھرپور کوشش کر رہا ہوں۔ غلطیاں ہو جاتی ہیں' کوتاہیاں ہو جاتی ہیں' بندے کا ارادہ اور کوشش تو ہو میں اطاعت کروں گا پھر جو کوتاہی ہوتی ہے اُس کی رحمت بہت وسیع ہے۔ ارادہ ہی بُرائی کرنے کا ہو پھر تو غضب الٰہی کو دعوت دینے والی بات ہے۔

اللہ کریم ہماری خطائیں معاف فرمائے۔ ہمیں صحیح شعور' صحیح علم اور توفیق عمل عطا فرمائے امن اور عدل نصیب فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجازین کی ذمہ داری اور تنبیہ

مجازین سلسلے کے احیاء کیلئے، ترویج کیلئے اور اس کی خدمت کیلئے ہوتے ہیں۔ یہ شوق پالنا چھوڑ دیجیے کہ آپ نے اتنے مراقبات کرا دیئے بلکہ یہ دیکھیے کہ کتنے بندوں کی کردار میں، اعمال میں اصلاح ہوئی ہے۔ آپ صرف کچھ بھی نہ کریں۔ صرف اللہ اللہ ہی کراتے رہیں تو اللہ کی طرف تبدیلی خود بخود آنا شروع ہو جاتی ہے اور مراقبات بھی نصیب ہو جاتے ہیں۔

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 22-11-03

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلاسل تصوف میں کچھ خوش نصیبوں کو کام کرنے کی سعادت من جانب اللہ نصیب ہوتی ہے اور انہیں کام کرنے کی اجازت دے دی جاتی ہے۔ جنہیں عرفِ عام میں صاحب مجاز کہتے ہیں۔ صاحب مجاز ہونا کوئی کسی کی بہت بڑی بزرگی کی، بہت بڑی پارسائی کی دلیل نہیں ہے۔ اس بات کی بھی دلیل نہیں ہے کہ اب وہ جو چاہے کرتا پھرے اور اُس کی کوئی بڑی شان بن گئی ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں اور اگر اس طرح کرتا ہے تو پھر آپ نے کتنے مجازین کو گم ہوتے اور غائب ہوتے دیکھا۔ کہاں جاتے ہیں کیوں جاتے ہیں؟ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ پچھلے اجتماع میں، لاہور سے ایک آٹھ دس سال کا بچہ سالانہ اجتماع میں آیا تو گیٹ والوں نے گیٹ پر روک دیا کہ بچوں کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ تو اُس کی والدہ پرانی ساتھی ہیں انہوں نے مجھ سے کہا کہ یہ ذکر بھی کرتا ہے اور اسے آنے کا شوق بھی ہوتا ہے تو میں نے اُسے خصوصی اجازت دی لیکن وہ خواتین کے ساتھ اپنی والدہ کے ساتھ ہی ٹھہرا۔ اب اسی جمعۃ الوداع کے لئے اُس کی والدہ آئی ہوئی تھی تو وہ بھی ساتھ آ گیا اور خواتین کے ساتھ ہی ٹھہرا آٹھ دس سال کا بچہ ہے تو وہ اکیلا والدہ کے بغیر ادھر نہیں رہتا وہ قلب پہ ذکر کرتا رہتا ہے۔ رات اُس کا ای میل پہ خط تھا کہ میں دارالعرفان گیا۔ مجھے ایک صاحب مجاز ملے اور انہوں نے پوچھا تم کتنے مراقبات کرتے ہو۔ میں کہا مجھے تو حضرت نے کہا ہے قلب پر ذکر کرتے رہا کرو۔ کرتا ہوں انہوں نے کہا نہیں مجھ سے ملیے میں تمہیں آگے مراقبات کرادوں۔

جوں جوں ذمہ داری بڑھتی ہے ایسے ہی اُس معاملے، اس تعلق کی اور رشتے کی نزاکت بھی بڑھتی ہے۔

اس کا مطلب ہے کہ مجاز شیخ سے زیادہ سمجھدار بھی ہیں اور صاحب اختیار بھی ہیں۔ تو صاحبِ مجاز آپ لوگوں کو اس لئے نہیں بنایا جاتا کہ آپ بڑے کاریگر ہو گئے اور جو ملے اسے مراقبات کرا دیں اور کتنے ایسے لوگ ہیں، کتنی خواتین ہیں، کلمہ نہیں آتا فلاں صاحب مجاز نے مجھے فنا بقا کرا دیا۔ نماز آتی نہیں، فلاں صاحب مجاز نے مجھے فنافی الرسول ﷺ کرا دیا۔ آپ لوگ کیا کرتے ہیں یہ کس نے آپ کو بتا دیا ہے کہ آپ بڑے مقامات پر ہیں۔ اس سے ذرہ آپ کا رعب اُس بندے پہ بن جاتا ہوگا کہ اس نے مجھ پر بڑا احسان کر دیا ہے یا یہ بڑا قابل آدمی ہے۔ رعب جھاڑنے کے لئے تو صاحبِ مجاز نہیں بنائے جاتے۔ خدا کا خوف کرو میں تو مراقبات ثلاثہ اور سیرِ کعبہ اور فنافی الرسول ﷺ کرا کے چھٹی کرا دیتا ہوں۔ میرے ساتھ جو اتنے ذکر آپ نے کئے تو میں کیوں نہیں سارے کراتا؟ اس لئے کہ جب تک بنیاد نہیں ہوگی۔ جن کے مراقبات آگے ہیں انہیں صرف اتنا

کرانے سے بھی قوت ملتی ہے۔ تقویت ملتی ہے' ترقی نصیب ہوتی ہے۔ جن کے آگے نہیں اُن کے آگے منازل کرنے کے لئے بھی اس بنیاد کی مضبوطی کی ضرورت ہے۔ اب ایک آٹھ دس سال کے بچے کو جسے اگر شیخ نے کہہ دیا کہ صرف قلب کرو آپ سارے صاحب مجاز اکٹھے کر کے دوسرا لطیفہ اس کا کرا کے دکھائیں ایک صاحب مجاز نہیں سارے جمع ہو جائیں اور قلب کے بعد دوسرا لطیفہ کرا کے دکھائیں۔

ہم مکہ مکرمہ میں تھے۔ ایک مفتی صاحب پرانے ساتھی تھے۔ مجلس میں مراقبات کی بات ہو رہی تھی حضرت رحمتہ اللہ بھی بیٹھے تھے۔ تین چار ساتھی بیٹھے تھے۔ کوئی طواف کے لئے گئے کوئی نماز کے لئے گئے تو مفتی صاحب سے حضرت رحمتہ اللہ نے پوچھ لیا کہ مفتی صاحب آپ کو کہاں تک مراقبات نصیب ہیں۔ حضرت رحمتہ اللہ میں پہلے عرش کے شروع میں ہوں اور وہاں کی کیفیت یہ ہے کہ ایک کمرہ ہے اُس میں ایک خوبصورت سی میز رکھی ہے اور میں نے اُس میز کو پکڑا ہوا ہے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے مذاق میں فرمایا اچھا پکڑے رکھو۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کبھی کبھی ہلکا سا مذاق کر دیتے۔ ٹھیک ہے مفتی صاحب آپ میز پکڑے رکھو۔ آٹھ دس سال بعد مفتی صاحب نے فریاد کی کہ حضرت رحمتہ اللہ میری تو عمر گزر گئی میز کو پکڑے ہوئے۔ تب سے جب مراقبہ کرتا ہوں وہی میز پکڑ کر کھڑا ہوں تو آپ رحمتہ اللہ نے فرمایا میں نے تو مذاق میں فرمایا تھا لیکن کہہ دیا تھا۔ جو شیخ کہہ دیتا ہے وہی ہوتا ہے آپ مجھے یاد کراتے اب چھوڑ دیں میں آپ کو آگے مراقبات کرتا ہوں۔ اس میں اس طرح سے چلتا ہے کسی کی دانشوری کام نہیں آتی کہ شیخ نے کہہ دیا پہلا لطیفہ کرو۔ چھوڑو میں تمہیں آگے مراقبات کراتا ہوں تم آپ آگے کیسے کرائیں گے۔ آپ کی تو اپنی ڈور شیخ کے ہاتھ میں ہے آپ کسی کو کیا دیں گے؟

صاحب مجاز کو اتنی اجازت دی جاتی ہے کہ شیخ کی اجازت سے جو مراقبات جن کی اُس

اسلام زندگی کا ایک بڑا خوبصورت' بڑا آسان' اور بڑا پسندیدہ راستہ ہے۔

نے اجازت دی ہے وہ کرائے لیکن دیکھ بھال کر کرائے۔ محض مراقبات کرانا مقصود نہیں ہے مقصود اُس کے حال کی تبدیلی ہے۔ کہ لطائف منور ہوئے تو کیا تبدیلی آئی؟ اگر مراقبات ثلاثہ ہوئے تو بندے میں کتنی تبدیلی آئی۔ اگر نہیں آئی تو اُسے آگے لے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آگے لے جائیں گے تو سارا چھوٹ جائے گا۔

حضرت جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے بارے میں فرماتے تھے کہ میں نے سولہ برس شیخ کی صحبت میں رہ کر لطائف کئے۔ حضرت رحمتہ اللہ بھی سترہ اٹھارہ برس وہیں مقیم رہے اور سولہ برس صرف لطائف پہ لگائے کبھی حضرت حضرت رحمتہ اللہ سے بات ہوتی تو فرماتے کہ سلطان العارفین رحمتہ اللہ سے ایک دوبار میں نے عرض کیا کہ حضرت بڑا عرصہ ہو گیا۔ لطائف سے آگے بھی کچھ بتایئے تو مجھے فرماتے تھے کہ ہم پکی اینٹیں نہیں پکانا چاہتے وہ پختگی ضروری تھی اُن منازل کے لئے جو بعد میں حضرت رحمتہ اللہ کو نصیب ہوئے۔ مجھ پر اللہ کا احسان تھا کہ جب لطائف کیا کرتے تھے تو میں نے گھڑی سے منٹوں کی سوئی نکال دی تھی۔ گھنٹے گنا کرتے تھے کہ منٹوں کی سوئی ہی نہیں ہونی چاہئے۔ چار چار گھنٹے سحری کے لطائف ہم کرتے تھے۔ دو بجے سے چھ بجے تک اور تین برس میں لطائف ہی کرتا رہا۔ مجھ سے بعد میں جو ساتھی آتے تھے انہیں فنا بقا ہو جاتی تھی۔ مراقبات ہو جاتے تھے لیکن میرے تین برس لگ گئے جب کہ چوبیس گھنٹوں میں سے کم از کم بارہ گھنٹے لطائف پہ لگ جاتے تھے۔ صبح ذکر کرتے تھے۔ ظہر کے بعد کرتے تھے۔ مغرب سے عشاء تک کرتے تھے اور گھنٹوں کے حساب سے کرتے تھے گھڑی سے منٹوں کی سوئی ہی نکال دی تھی کہ صرف گھنٹے گنیں گے ایک گھنٹہ ہوا ہے' دو ہوئے ہیں' تین ہوئے ہیں۔

منازل کی بنیاد یہی لطائف اور مراقبہ ثلاثہ ہیں۔ کردار کی تبدیلی ان سے شروع ہوتی ہے اور جو تبدیلی ہے کردار کی' افکار کی' اسی سے جو قوت قلبی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مل کر اگلے مراقبات کا سبب بنتے ہیں اور وہ سلامتی کا سبب ہوتے ہیں

اور حصّ پیچ کرسی کو اوپر لیتے جاؤ۔ اُس کی اپنی بنیاد کمزور رہے گی اُس کے پاؤں کے نیچے زمین نہیں ہوگی۔ اُس کی سیڑھیاں کمزور ہیں کہیں سے کوئی ایک سیڑھی ٹوٹی تو کہاں تک گرے گا؟ پھر کسی صاحب مجاز کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ شیخ کی بات کو کاٹ کر آگے چلا جائے۔ کیسے جا سکتا ہے؟ اور صاحب مجاز ہونا اس بات کی بھی دلیل نہیں ہے کہ آپ جو چاہئیں کریں بلکہ بندہ زیادہ پابند ہوتا ہے۔ ہر بات میں پوچھنے کا زیادہ محتاج ہو جاتا ہے۔ جوں جوں ذمہ داری بڑھتی ہے ایسے ہی اُس معاملے کی، تعلق کی اور رشتے کی نزاکت بھی بڑھتی ہے تو صاحبِ مجاز ہونا بڑی سعادت کی بات ہے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اُس کا بہت بڑا احسان ہے لیکن معاملے کی نزاکت بڑھ جاتی ہے اور چھوٹی چھوٹی لغزشیں گرفت کا سبب بن جاتی ہیں۔ تو چونکہ ضرورت بھی ہوتی ہے۔ جگہ جگہ ساتھیوں کو کوئی انہیں ایک مرکزی بندہ ملے جوذکر کرائے اور ایک مرکزیت قائم ہو۔ اور طریقہ کار بھی ہے اس لئے اجازت تو دے دی جاتی ہے لیکن اُس کی حدود قیود یاد رکھیں اور اب تو اس موضوع پر ایک پوری بہت بڑی کتاب آ گئی۔

کہ آداب شیخ کیا ہوتے ہیں؟ اور اُن کی ضرورت کیا ہے؟ اور اُس کی اہمیت کیا ہے؟ تو کم از کم مطالعہ کیجئے جس میں متقدمین سے لیکر آج تک کے اقوالِ زریں مشائخ سلسلہ کے اور بزرگوں کے جمع کر لئے تھے۔ بے شمار اہل اللہ کی آرا کا گلدستہ بن گیا ہے۔ اُس کا مطالعہ کیجئے۔ محنت کیجئے۔ اسلام زندگی کا ایک بڑا خوبصورت، بڑا آسان، اور بڑا پسندیدہ راستہ ہے مگر ہم نے اپنی آرا کو داخل کر کے آج اسلام کو لوگوں کے لئے معاشرے کے لئے ایک خطرہ بنا دیا ہے۔ آپ مغرب کی یا غیر اسلامی ممالک کی بات نہ کریں اب تو مسلمان اسلام سے ڈرتا ہے ہمارے ہاں اپنے ملک میں دیکھ لیں جب ہم کہتے ہیں اسلام نافذ کرو تو طوفان آ جاتا

> دنیا میں انتظامیہ، عدلیہ، حکومت اور مالیاتی معاشی ڈھانچہ جو ہے ابھی تک روئے زمین پر وہی ہے جو سیدنا فاروق اعظمؓ نے ترتیب دیا تھا

ہے۔ ایسے پتہ چلتا ہے جیسے کوئی فساد کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ کسی کو تباہ کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ کسی کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ کیوں؟ اسلام تو ایک بہت خوبصورت مذہب ہے۔ اسلام نے زندگی کو ڈسٹرب نہیں کیا۔ زندگی کے کسی شعبے میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ لوگ کاروبار کرتے تھے اسلام نے منع نہیں کیا۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے اسلام نے نہیں روکا۔ لوگ ملازمت کرتے تھے، زندگی میں روزی کے ذرائع تھے اسلام نے کسی سے روکا تو نہیں۔ ایک خوبصورت سی تبدیلی اُس میں پیدا کی ہے کہ اگر کاروبار کرتے ہو تو قیمت بھی پوری لو چیز بھی پوری دو۔ اب اگر ہم اسلام کو اس طرح پیش کریں کہ اسلام تو یہ ہے بھائی کہ جس چیز کی قیمت لیتے ہو پوری لو زائد نہ لو اگر کوئی آدمی نہیں سمجھتا، نہیں جانتا، تو اُس سے زائد قیمت مت مانگو وہ چیز جتنی کی ہے اُتنے پیسے لو۔ جو چیز اُسے دے رہے ہو جو بتا رہے ہو وہ ویسی ہی دو۔ دنیا کا کونسا انسان ہے جو اس سے انکار کرے گا؟ مومن ہے یا کافر، چھوٹا ہے یا بڑا، اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں لیکن اس کا انکار تو کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ ایک یونیورسل ٹرتھ ہے ساری انسانیت جس کی تائید کر رہی ہے یہی اسلام ہے۔ لوگ شادیاں کرتے تھے اسلام نے منع نہیں کر دیا۔ بلکہ شادی کو افضل ترین سنت قرار دیا۔ شادی ضروری کرو۔ بیوی بچوں کا پالنا ثواب کا کام ہے۔ گھر کا بسانا ثواب کا کام ہے۔ نیک اولاد پیدا کرو اولاد کی پرورش کرو۔ اولاد پہ جو خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا ہے اُس کا بھی اجر ملے گا لیکن ایک سلیقہ، ایک طریقہ، ایک ضابطہ، دے دیا کہ معاشرے میں آپ کی شادی کا کام کوئی بگاڑ پیدا نہ کرے۔ کم از کم جس سے شادی ہو رہی ہے وہ فرد وہ خاتون راضی ہو اُس سے اجازت لی جائے۔ اگر وہ رضامند نہیں ہے تو آپ زبردستی کسی کو قید کریں گے۔ کیا شادی ہوگی؟ اسلام سے پہلے تو ایسا تھا۔ ہر طاقتور کمزور کو پکڑ کر گھر میں ڈال لیتا تھا۔ لوگوں کی بیویاں لوگ چھین کے لے جاتے تھے۔ اپنی بیویاں بنا لیتے

تھے۔ تو اسلام نے اُس میں ایک خوبصورت تبدیلی دی جو ہر ایک کے لئے قابل قبول ہو۔ جس میں ہر ایک کا فائدہ ہو' عزت واحترام ہو۔ اب جو چھین کے لے جاتے تھے تو دو خاندانوں میں دشمنی بن جاتی تھی۔ اسلامی طرز سے جو نکاح ہوتا ہے وہ دو خاندانوں میں رشتہ داری، بھائی چارہ اور قریبی تعلق پیدا کر دیتا ہے۔ دشمنی کی جگہ رشتہ داری اور دوستی بن جاتی ہے۔ اسی طرح حکومت کے معاملات' عدلیہ کے معاملات' انتظامیہ کے معاملات ہیں اسلام نے کسی کام سے روکا تو نہیں بلکہ دنیا میں انتظامیہ' عدلیہ اور حکومت کا اور مالیاتی معاشی ڈھانچہ جو ہے ابھی تک روئے زمین پر وہی چل رہا ہے جو سیدنا فاروق اعظمؓ نے ترتیب دیا تھا۔ جس کے خدوخال آقائے نامدار ﷺ نے وضع فرمائے۔ مزید جس کی تشریح ابوبکر صدیقؓ نے فرمائی اور عہد فاروقیؓ میں آ کر جو مکمل ہو گیا۔ دنیا کا کوئی دانشور اس سے ہٹ کر ڈھانچہ نہیں بنا سکا۔ اقتدار حاصل کرنے کے طریقے مختلف ہوتے رہے' بادشاہتیں ہوتی رہیں' جمہوریت کے نام پر تماشے ہوتے رہے' ڈکٹیٹر شپ آتی رہی لیکن اُس کو چلانے کا وہی طریقہ کار رہا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں زمینیں بانٹ دی گئیں' تحصیل ضلع بنائے گئے' مالیاتی نظام بنایا گیا۔ زمینوں پہ زرعی ٹیکس کیا ہوگا کیا نہیں ہوگا اللہ نے عشر فرض کیا۔ آمدنیوں سے وصول کیا جانے لگا۔ اسی طرح مالیاتی نظام' عدلیہ کا نظام بنا' پچھلی صدی کے وسط یا چوتھائی میں ایک تحریک چلی چودہ سو سال بعد جس نے جینے کا زندگی کا، ایک اس سے ہٹ کر ایک ڈھانچہ بنایا جسے کمیونزم کہا گیا کہ کمیونیٹز تقسیم کر دی جائے اور ہر چیز کمیونز کی۔ اُس کمیونٹی کی ملکیت ہو فرد کی نہ ہو۔ لیکن ستر سال بھی نہیں چل سکا خود انہی کمیونسٹ ملکوں میں فیل ہو گیا اور اب سارے کمیونسٹ ملک واپس پلٹ آئے ہیں کہ نہیں فرد کو ملکیت دی جائے۔ یعنی جو اُس کی بنیاد تھی کمیونزم

> **صوفی اور ملا نے اللہ کا پیغام تو مجھ تک پہنچایا لیکن اُس کی جو تاویل تعبیر اور تشریح کی اُس پر اللہ بھی حیران ہے۔**

کی کمیونیٹز کی کمیونیز کی وہ انہوں نے ختم کر دی کہ یہ تو ممکن نہیں ہے۔ اس طرح نہیں چل سکتا اور یہ واحد نظام تھا جو عملی زندگی کے لئے اسلامی نظام کے بعد تراشا گیا۔

اب جب اسلامی نظام کی بات ہوتی ہے تو کہا یہ جاتا ہے کہ آپ اسلامی نظام اسلامی نظام کہتے ہیں اگر ہم اسلامی نظام لائیں پتہ نہیں وہ بھی نافذ ہو نہ ہو۔ جھگڑا چل رہا ہے یہ بھی ختم ہو جائے تو ہم کہاں جائیں گے؟ یہ بات مجھ سے جناب مجید نظامی صاحب ایڈیٹر نوائے وقت نے کہی۔ جو ملک کے مانے ہوئے دانشور اور باجرات باضمیر انسان سمجھے جاتے ہیں۔ تو مجھے بڑی حیرت ہوئی میں نے کہا آپ اسلامی نظام کو اس ماحول اور معاشرے سے ہٹ کر کوئی الگ چیز سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایسا نہیں ہے جو نظام آپ چلا رہے ہیں اسی کو اسلام بنا لیں۔ عدالتوں میں آپ نے جو ایک پینل کوڈ دے رکھا ہے کہ کس جرم کی سزا کیا ہے؟ اُس میں اسلام نے تو **Simple** تین چار حدود مقرر کی ہیں۔ زنا کی سزا' قتل کی سزا اور ڈاکے کی سزا باقی سزائیں تو اسلام نے بھی جج کی صوابدید پہ چھوڑ دی ہیں۔ یعنی معین صرف حدود ہیں۔ حدود کے علاوہ جرائم کی سزا تو اسلامی معاشرے میں ماحول حکومت اور قانون ساز اداروں کی صوابدید پہ چھوڑ دی ہے کہ وہ اپنے ماحول اور معاشرے کے مطابق اُس کی سزا مقرر کریں اور حدود میں بھی حالات وواقعات جو ہیں وہ گنجائش رکھتے ہیں۔

جب مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا معطل کی جاتی ہے۔ کھانے پینے کی اس قحط سالی میں اگر کوئی چیز چوری کرے گا تو اُس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حالانکہ یہ تو حد تھی۔ طے شدہ بات تھی۔ لیکن حد میں بھی تبدیلی آ گئی کہ قحط سالی اتنی ہے کہ لوگ کئی کئی دن بھوکے رہتے ہیں اور اگر کسی نے ایک لقمہ کسی کا یا ایک روٹی اٹھالی تو اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے اُسے دو دن قید رکھا جائے۔ دو چار تھپڑ مار دیئے جائیں لیکن بھوک سے بے تاب ہو کر ایسا کیا تو ایسا نہ

کیا جائے۔ تو اسلام یہی ہے کہ جو نظام آپ چلا رہے ہیں اس میں عدل کو لے آئیں' انصاف کو لے آئیں' رشوت نہ ہو' حق دار کو اُس کا حق ملے' ملازمت اُسے ملے جس میں اُس کی استعداد ہے۔ بھتیجوں' بھائیوں' کی سفارشوں پہ بھرتی بند ہو جائے۔ یہی اسلام ہے اور اسلام کیا ہے؟ زکوۃ اور قربانی کی کھالیں موٹی پیٹوں والے نہ کھائیں بلکہ اُسے سنٹرالائز کیا جائے اور وہ مستحقین تک پہنچائی جائے۔ بے روزگاروں تک پہنچائی جائے۔ یتیموں بیواؤں کو پہنچائی جائے۔ علاج معالجے پہ خرچ کی جائے۔ تعمیر پہ خرچ کی جائے۔ بے گھروں کے لئے گھر بنائیں یہی اسلام ہے۔ پہلے تو زکوۃ کا نظام نہیں تھا بنایا تو کچھ بندے لے لیتے ہیں۔ کچھ وزارت کھا جاتی ہے۔ کچھ آپ نے اپنے ٹاؤٹ رکھے ہوئے ہیں۔ وہ کھا جاتے ہیں چار بندوں کے انگوٹھے لگا کر بھیج دیتے ہیں تو اسی نظام کو آپ صحیح طریقے پہ چلائیں تو اسلام ہے یعنی کوئی نئی بلا نہیں ہے جو ہم نے مسلط کرنی ہے۔ ایک خوبصورت سی تبدیلی ہے اور کوئی معقول بندہ اُسے رد کرنے کی نہیں سوچے گا۔

یہی حال اللہ اللہ اور سلاسلِ تصوف کا ہے یہ بڑی خوبصورت بات ہے اور اس سے بندے کی جسمانی صحت بھی درست ہوتی ہے۔ امراض قلبی کا دفاع ہوتا ہے۔ جگری امراض کا دفاع ہوتا ہے اور ایمان کو بھی تازگی ملتی ہے روح پہ بھی ہریالی آتی ہے لیکن آپ جو اپنی طرف سے تعبیریں کرتے ہیں۔ وہ اسے ایک مقابلے کی چیز بنا دیتے ہیں کہ یہ ہمیں تو ہمارے مسلک سے ہٹا کر ہمیں ہرانا چاہتا ہے۔ اور ہمیں اپنے پیچھے لگانا چاہتا ہے۔ تو یہ یاد رکھیے علامہ مرحوم نے کہا تھا کہ

زمن برصوفی وملاں سلامے کہ پیغام خدادادند مارا
وے تاویل شان درحیرت انداخت خداو جبرائیل ومصطفےٰ را

کہ صوفی اور ملاں نے اللہ کا پیغام تو مجھ تک پہنچایا لیکن اُس کی جو تاویل تعبیر اور تشریح

حضرت جی رحمتہ اللّٰہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سولہ برس شیخ کی صحبت میں رہ کر لطائف کئے

کی اُس پر اللہ بھی حیران ہے اللہ کا لانے والا فرشتہ بھی حیران ہے اور نبی ﷺ بھی حیران ہے کہ بات کیا تھی اس نے بنا کیا دی۔

تو سلسلے کی تعبیر و تشریح بھی یہ نہیں ہے کہ جو سڑک پہ گزر رہا ہے اُسے پکڑ لیا جائے۔ ہاں بھائی کیا کرتے ہو؟ جی میں صرف لطائف' اچھا آؤ تمہیں فنا بقا کرا دوں۔ یہ تعبیر و تشریح نہیں ہے یہ پوچھو کیا کرتے ہو؟ آجکل روزگار کیا ہے؟ کماتے کس طرح ہو؟ بھئی حلال کماؤ اُس میں برکت ہوگی۔ حرام کماؤ گے تو زیادہ اور گنواؤ گے اُس سے پلّے کچھ نہیں پڑے گا۔ کردار سازی پہ بات کرو پیار سے بات کرو۔ دوسرے کو سمجھاؤ اللہ اللہ کے فوائد بتاؤ لیکن خود کو اپنی پارسائی کے اظہار کے لئے خواہ مخواہ ایک آدمی کے لطائف بھی درست نہیں ہیں۔ آپ اُسے یقین دلا دیتے ہیں تیرے مراقبات فلاں تک ہو گئے۔ اب ہوتے ہیں اسے پتہ ہی نہیں۔ پھر بعد میں جب اُس پہ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لوگ چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ تھا تو کچھ بھی نہیں، مجھے وہ کہتا تھا کہتے رہتے ہیں، تجھے فلاں عرش پہ پہنچا دیا۔ اُس کے پاؤں تو فرش پر بھی نہیں جم رہے۔ کھڑا نہیں ہو رہا تو عرش پہ کیسے پہنچے گا؟ بددل ہو کے چھوڑ جاتا ہے پھر الزام سلسلے پہ آتا ہے۔ الزام مشائخ پہ آتا ہے پھر بات یہ ہوتی ہے کہ یہ سارا فراڈ ہے۔

تو مجازین سلسلے کی بدنامی یا اُس پر اعتراضات کے لئے نہیں' سلسلے کے احیاء کے لئے' ترویج کے لئے اور اُس کی خدمت کے لئے ہوتے ہیں اور یہ شوق پالنا چھوڑ دیجئے۔ کہ آپ نے اتنے مراقبات کرا دیئے یہ دیکھئے کتنے بندوں کی کردار میں' اعمال میں اصلاح ہوئی۔ آپ صرف کچھ بھی نہ کریں۔ آپ صرف اللہ اللہ کراتے رہیں۔ تو اللہ کی طرف سے تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اُس کی قسمت میں مراقبات ہوتے ہیں وہ جب یہاں آیا ہے تو اُسے نصیب ہو جاتے ہیں۔ لیکن اُن کے لئے کوئی جگہ تو اُس کے دل میں ہو۔ آپ کا کام تو وہاں کی صفائی کرنا ہے۔ مجھے اس بات سے

دکھ ہوا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں میں ناراض اس لئے نہیں ہوا کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم مجازین کی تربیت نہیں کر سکتے۔ کرنے کا شعبہ ہی چھوڑ دیا ہے اور مجازین کے ذہن میں یہ آ گیا ہے کہ میں تو اب کامل اکمل ہو گیا ہوں۔ مجھے کسی تربیت کی ضرورت نہیں، جو میں کرتا ہوں وہی ٹھیک ہے۔ اس میں ناراض میں اس لئے نہیں ہوا کہ قصور میرا بھی ہے مجھے بھی چاہئے کہ مجازین کا بھی ایک پریڈ رکھا جائے اُن کی بھی تربیت کی جائے، انہیں اُن کی ذمہ داریاں سمجھائی جائیں۔ انہیں اُن کی حدود و قیود سمجھائی جائے تا کہ اُن پہ کاربند رہیں انہیں طریقہ کار سمجھایا جائے۔ تا کہ اُس پہ کاربند رہ کے اُس طرح سے وہ اپنا کام جاری رکھ سکیں۔ اور بڑی حد تک مجازین کے اپنے ذمے بھی ہے کہ وہ اپنے کام اور اپنے آئندہ کے منصوبوں کے بارے شیخ سے پوچھ لیا کریں۔ کہ میری حدود کہاں تک ہیں؟ مجھے کیا کرنا ہے؟ وہاں کا ماحول ایسا ہے۔ وہاں میں کس طرح کروں۔ چونکہ مجازین ایک نمائندہ ہوتے ہیں۔ اپنی مرضی سے انہیں فیصلے کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ شیخ کا نمائندہ ہوتے ہیں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ رابطہ رکھیں پوچھیں اور اُس کے مطابق کام کریں مقصد یہ ہے کہ اس کام سے اللہ کی مخلوق کا بھلا ہو اور اُن کے طفیل ہمارا بھی بھلا ہو۔ دنیا بھی سنور جائے آخرت بھی سنور جائے اور اللہ کریم میدان حشر کی شرمندگی سے بچالے۔ امین

☆☆☆☆☆☆☆☆

حقیقی ایمان۔ اس کے تقاضے اور اس کا صلہ

ترجمہ۔ حضرت عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں تو اللہ تعالے نے اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔''

شہادت یا گواہی یہ ہے کہ کسی حقیقت یا سچی بات کو زبان سے ادا کر کے یہ ظاہر کر دیا جائے کہ حقیقت یہ ہے۔ انسانی عدالتوں میں اسی شہادت پر ہی فیصلے ہوا کرتے ہیں کیونکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ رہا ہے اس کے دل میں بھی یہ یقین موجود ہے کہ سچ یہی ہے۔ زبان دل کی ترجمان ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں اور جان بوجھ کر دیتے ہیں۔ یعنی زبان سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہوتا گو وہ سمجھتے ہیں کہ جھوٹ کہہ رہے ہیں مگر زبان سے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں اسی وجہ سے غلط فیصلے دیئے جاتے ہیں کیونکہ فیصلہ کا دارومدار شہادت پر ہوتا ہے کسی کے لئے جنت یا جہنم کا فیصلہ دنیا اللہ کا کام ہے مگر اسے یہ دھوکا نہیں دیا جا سکتا کہ زبان سے کچھ اور کہیں اور دل میں کچھ اور ہو۔ اس لئے اس کے فیصلے دل کی شہادت پر ہوں گے یعنی وہ دیکھتا ہے کہ جو کچھ یہ زبان سے کہہ رہا ہے کیا اس کا دل بھی اس کی شہادت دیتا ہے اور اس میں بھی یہ یقین موجود ہے کہ حقیقت یہی ہے۔ اگر دل میں یقین نہیں اور زبان سے کہہ رہا ہے تو یہ جھوٹی شہادت ہوئی۔ اور جھوٹی شہادت دنیا تو انسانی قانون کے مطابق بھی جرم ہے۔ اس لئے جھوٹی شہادت دینے والے کو سزا دی جاتی ہے۔

چنانچہ قرآن حکیم میں آتا ہے ''اے میرے حبیب! منافق لوگ تیرے پاس آ کر کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ یقیناً تو اللہ کا رسول ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ تو اس کا رسولؐ ہے لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ منافق زبان سے جو کچھ کہتے ہیں وہ سچی شہادت تھی مگر چونکہ ان کے دل میں اس کا یقین نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی شہادت کو جھوٹی شہادت قرار دیا۔

اب اس حدیث کا مطلب واضح ہو گیا کہ نبی کریمؐ نے جو کچھ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا دل اس بات کی شہادت دے اور وہ زبان سے دل کی بات ظاہر کر دے کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو وہ دوزخ سے بچ گیا۔

لفظ معبود اور رسول کا مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ معبود اسے کہتے ہیں جس کی ہر بات نہایت عقیدت عاجزی اور محبت سے مانی جائے اور رسولؐ وہ ہے جو یہ سکھائے کہ اللہ کا حکم کیا ہے اور اسکی تعمیل کرنے کا صحیح طریقہ کونسا ہے۔

اقتباس۔ چراغ مصطفوی

اعتکاف کا مقصد

کوئی کلمہ زائد از ضرورت زبان سے نہ نکالا جائے اس لئے کہ ہر کلمے کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے جو دل تک جاتا ہے اور کثرت کلام سے کیفیات قلبی مانع ہوتی ہیں۔ جتنی زیادہ آپ باتیں کریں گے قلبی کیفیات میں اتنی کمی آئے گی اور جتنا زبان کنٹرول میں رہے گی۔ اتنی کیفیات قلبی میں زیادتی اور تیزی آئے گی۔

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 20-11-03

ہر کام کو اُس کے کرنے کے ضابطے کے مطابق اور پورے خلوص سے کیا جانا چاہئے۔ یہ دونوں باتیں مکمل ہوں خلوص نیت بھی ہو، خلوص قلبی بھی ہو، پوری توجہ سے کرے اور سارے طریقے سلیقے اور احکام کی پابندی بھی کرے۔ اس کے بعد بھی ثمرات اللہ جل شانہ، کی مرضی پہ ہیں کس کو کتنا دیتا ہے؟ قبول فرماتا ہے یا نہیں۔ چونکہ اللہ محتاج نہیں ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہمیں غلط فہمی یہ ہو جاتی ہے کہ جب ہم نے خانہ پُری کر دی تو کام ہو گیا۔ یہ کام خانہ پُری سے نہیں ہوتا۔ مثلاً اعتکاف کی سعادت نصیب ہوئی تو یہ بہت بڑا اُس کا احسان ہے۔ اُس کی بے شمار مخلوق ہے، کتنے پری چہرہ دراز قد، دولت مند صاحب ثروت ایسے ہیں جو نورِ ایمان سے بھی محروم ہیں۔ نہ اُن کا ظاہری حُسن اُن کے کسی کام آیا۔ نہ اُن کا مال و دولت اُن کے کسی کام آیا۔ نہ اقتدار و اختیار کسی کام آیا۔ کتنی بے شمار دوسری خوبیوں کے حامل ایسے لوگ ہیں جنہیں ایمان بھی نصیب نہیں، پھر جنہیں ایمان نصیب ہے اُن میں کتنی ایسی تعداد ہے کہ جنہیں صلوٰۃِ خمسہ بھی نصیب نہیں۔ خود رمضان شریف میں چوریاں کرتے پھرتے ہیں، ڈاکے مارتے پھرتے ہیں، قتل و غارت گری کرتے پھرتے ہیں۔ آخر کہلانے کو تو وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ کتنی مخلوق ایسی ہے جنہیں عبادت تو نصیب ہے مگر اعتکاف کی فرصت نہیں

اعتکاف کے لمحات میں سوائے اللہ کے کسی سے کوئی رابطہ نہ رہے

ملی۔ نصیب نہیں ہوا۔ تو گنتی کے چند لوگوں کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اب یہ اُن کی مرضی ہے کہ وہ اُسے خانہ پُری میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ اپنی نیکی اور اپنی پارسائی کا اشتہار بنانا چاہتے ہیں یا اُس کے مقصد کو پانا چاہتے ہیں۔ اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اعتکاف کے جو لمحات ہیں وہ سوائے اللہ کے کسی سے کوئی رابطہ نہ رہے۔ گنتی کے دن ہیں اگر سنت اعتکاف ہے تو آخری عشرہ رمضان المبارک کا دس ہوں گے یا نو روزے ہوں گے۔ نفل ہے تو ایک دن ہے دو دن ہے، چار دن ہے، گنتی کا وقت ہے اور نفل اعتکاف کی کوئی قید نہیں ایک دن کا، ایک گھنٹے کا، دس منٹ کا۔ جتنی فرصت کسی کے پاس ہو مسجد میں آتا ہے اعتکاف کی نیت کر لے کہ جتنی دیر مسجد میں ہوں میں اعتکاف میں ہوں تو نفلی اعتکاف کا ثواب ہو گا لیکن اعتکاف سے مراد کیا ہے؟

مراد یہ ہے کہ حضورِ الٰہی ہر لمحے نصیب ہو۔ کل باہر سے ایک ساتھی آ رہے تھے۔ مجھے اسلام علیکم کیا۔ میں نے کہا! آپ کا اعتکاف نہیں ہے۔ میرا نفلی ہے۔ بھئی نفلی ہے، ہے تو اعتکاف۔ جتنی دیر آپ معتکف ہیں اُس میں ساری شرائط وہی ہیں جو سنت کی ہیں۔ نفلی میں کوئی رعایت نہیں ہے کہ نفلی اعتکاف کا ارادہ کر لو پھر گپ شپ کرتے رہو۔ اور اعتکاف اگر نفلی بھی ہے، تو جتنے لمحے آپ معتکف ہیں ساری وہی شرائط ہیں جو مسنون اعتکاف میں ہیں۔ سارے احکام وہی ہیں، ساری پابندیاں وہی ہیں۔ اعتکاف میں بالکل بات نہ کرنا بھی مکروہ ہے۔ گنگا بہرہ بن کے چپ کا روزہ چونکہ اسلام میں نہیں ہے۔ لیکن بلا

ضرورت بولنا اعتکاف کو نقصان پہنچاتا ہے۔ غیر ضروری بات نہ کی جائے۔ ایک یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ مسجد کے اندر تو بات کرنا درست ہے۔ مسجد کے اندر یہ بات درست نہیں ہے کہ کوئی باہر سے آ گیا یا کوئی معتکف ہی قابو آ گیا تو آپ کے بچے کتنے ہیں؟ آپ کا کاروبار کیا ہے؟ آپ کیا بیچتے ہیں؟ کیا کماتے ہیں؟ کیا کھاتے ہیں؟ یہ سب ویسا ہی ہے جیسا کوئی باہر سے آیا آپ اُس سے بات کریں گے یا مسجد میں معتکف سے بات کریں۔ بات کرنی چاہئے مثلاً پانی چاہئے تو صرف پانی مانگیں۔ آگے گپ شروع نہ کر دیں۔ کھانا چاہئے دوائی چاہئے۔ جتنی ضروری بات ہے وہ کریں یا پھر دین کی بات کریں۔ اللہ کی بات کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی بات کریں۔ قرآن کی بات کریں۔ حدیث کی بات کریں۔ دین سیکھنے دین سکھانے کی بات کریں۔ اللہ کی بات اللہ کے حبیب ﷺ کی بات سارا دن کرتے رہیں۔ اس لئے کہ دین کی باتیں متوجہ الی اللہ کرنے میں معاون ہوتی ہیں توجہ الی اللہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہوتیں۔ رکاوٹ نہیں بنتیں۔ لیکن دنیا کی بات دنیا کی طرف متوجہ کرتی ہے اور جو توجہ ذات باری کی طرف ہے اُسے کم کرتی ہے نقصان دہ ہے۔

انسان کا مزاج ایسا ہے کہ اس کے لئے بڑا مشکل ہے کہ یہ محض مان کر بیٹھ رہے۔ اللہ جل شانہ سامنے ہوتا تو شاید کوئی سانس بھی نہ لیتا اور بت بنا بیٹھا رہتا۔ پلک بھی نہ جھپکتا ٹک ٹک دیکھتا رہتا۔ لیکن یہ دیکھنے والے خاموش رہنے والے کا کمال تو نہ ہوتا۔ اُس کی ذات ہی ایسی ہے امتحان تو یہی ہے کہ جب میں نے کہہ دیا۔ میرے نبی ﷺ نے میری بات تم تک پہنچا دی۔ کہ میں تمہارے پاس موجود ہوں تم مجھے دیکھو، تم میری سنو۔ اب اس بات کو مان کر بیٹھو کہ اللہ میرے سامنے ہے۔ اگر یہ مشکل ہے تو یہی تو آزمائش ہے۔

ہو دیکھنے کا شوق تو آنکھوں کو بند کر
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

اللہ کی بات اللہ کے حبیب ﷺ کی بات سارا دن کرتے رہیں۔ اس لئے کہ دین کی باتیں متوجہ الی اللہ کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔

ساری کائنات سے اگر آپ نگاہ کو بند کر لیں اگر آپ اپنے خیالات کو روک لیں، اپنی سوچوں پر پہرہ بٹھا دیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ سوچیں۔ تو اللہ جل شانہ، کا دیکھنا کوئی محال نہیں ہے لیکن یہ مادی آنکھ اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتی۔ آخرت میں تو۔ فکشفنا تمہاری آنکھوں سے حجابات ہٹا دیئے گئے اور تمہاری آنکھیں بہت مضبوط تمہاری نگاہ بہت مضبوط کر دی گئی۔ آخرت میں تو اللہ کے بندے رب جلیل کو روبرو دیکھیں گے۔ لیکن آخرت کی نگاہ اور ہو گی۔

شب معراج کے واقعہ پہ جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے تو علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ ان دنیوی آنکھوں سے اللہ کو دیکھنا ممکن نہیں۔ لہذا نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے جمال باری نہیں کیا۔ مگر اکثر علماء یہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس عالم میں نہ تھے۔ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔ یہ دنیا کے احکام دنیا پہ رہ جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ بارگاہ الوہیت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ کی نگاہ عالی عام انسان کی نگاہ نہیں ہے۔ نہ اس دنیا کی نگاہ عالی تھی۔ نہ اس عالم کے احکام اس پہ لاگو ہوتے ہیں اور نہ آپ ﷺ کی نگاہ عام تھی اور کوئی نگاہ ایسی نہیں ہے جو آخرت میں آپ ﷺ کی نگاہ سے بڑھ کر ہو جائے گی۔ لہذا حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے جمال باری میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ مازاغ البصر وما طغیٰ o سے بھی ثابت کرتے ہیں لیکن یہ حق ہے کہ آپ ﷺ کا ایمان اللہ کو دیکھ کر بھی ہے۔

ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی نہیں دیکھا۔ اگر ہم نے اللہ کے حبیب ﷺ کو دیکھا ہوتا تو جن لوگوں نے دیکھا اُن کا یقین اس سے بھی بڑھ گیا کہ گویا انہوں نے خود اللہ کو اُن آنکھوں کو تو دیکھا جنہوں نے اللہ کو دیکھا۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کو بھی اور اُن پاک نگاہوں کو بھی نہیں دیکھا جو جمال باری سے آشنا ہیں۔ لیکن اگر ہم اپنے اندر وہ یقین پیدا کر سکیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حکم کے مطابق۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کی امت کے پہلے لوگ زیادہ اعلیٰ اچھے اور مقرب بارگاہ ہیں یا آخری، کونسا حصہ؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی مثال اُس بارش کی ہے جو

ہوتی ہے تو اندازہ نہیں ہوتا اور رُکتی ہے تو جل تھل ہو جاتا ہے۔ کوئی نہیں سوچ سکتا کہ پہلے تیز تھی یا بعد میں تیز تھی۔ ایک دفعہ فرمایا کہ اُن لوگوں کی عظمت اللہ کے ہاں مسلمہ ہے جو میرے صدیوں بعد آئیں گے اور جنہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا۔ مجھ سے سُنا کچھ نہیں ہوگا۔ اور نسلاً بعد نسلاً میری بات روایت ہو کر اُن تک پہنچے گی اور اُس پر اتنا یقین رکھیں گے کہ اُس پر جان دے دیں گے۔ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ایک طرح سے یہ محرومی ہے کہ ہم اُس عہد رسالت مآب ﷺ جس میں نور برستا رہا، پتھر سونا بنا، ہیرے بنتے رہے، لوہا سونے میں ڈھلتا رہا، نہ پا سکے۔ نصیب ہوتا تو اُس جیسی تو کوئی بات ہی نہ تھی لیکن چودہ سو سال بعد نور یقین حاصل کر کے اُس در پہ بیٹھ رہنا بھی بہت بڑی سعادت کی بات ہے اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ وہ یہ نعمت عطا کر دے۔

معتکف گویا ہر لحظہ بارگاہ الوہیت میں حاضر ہے۔ بندہ ہر آن اُس کے روبرو ہے۔ لیکن وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بندہ تو بے خبر ہوتا ہے اُسے تو نہیں پتہ۔ اپنے کاروبار میں ہوتا ہے۔ اُدھر مگن ہوتا ہے اُسے اللہ یاد نہیں ہوتا۔ اپنے پیشے میں، موج میلے میں، گپ شپ میں، اپنے سفر میں تو وہی چیزیں اُس کے پیش نظر ہوتی ہیں اُس کے دل میں، دماغ میں، وہی چیزیں ہوتی ہیں۔ ذات باری کا کوئی تصور بھی نہیں ہوتا لیکن اللہ تو تب بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اللہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ یہ سارا کچھ چھوڑ چھاڑ کر سب سے نکل کر ایک ایسا وقت مختص کر لینا یوں تو جب بھی مسجد میں بیٹھنے کی فرصت ملے اعتکاف کی نیت کی جا سکتی ہے۔ اُس کے لئے کوئی رمضان ہی ضروری نہیں ہے غیر رمضان میں بھی کی جا سکتی ہے لیکن رمضان المبارک پھر اُس کا آخری عشرہ جس کی بے شمار فضیلتیں اور جس میں لیلۃ القدر جیسی نعمتیں اور راحتیں ہیں پھر سنت محمد رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن حکیم کا دور فرماتے تھے۔

آپ ﷺ اعتکاف میں جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ قرآن حکیم کا دور فرماتے تھے۔ سب سے زیادہ مصروفیت جو اعتکاف میں رسول اللہ ﷺ کی ہوتی تھی وہ قران حکیم کا دور فرمایا جاتا تھا۔ اس لئے معتکف کو چاہئے قرآن پڑھتا رہے، درود شریف پڑھتا رہے، تسبیح پڑھتا رہے، توجہ اپنی اللہ ہی کی طرف رکھے۔ متوجہ الی اللہ ہی رہے۔ وضو کرنے بیٹھے تو وضو کی تسبیحات پڑھتا رہے۔ چل رہا ہے، سفر کر رہا ہے، آ جا رہا ہے، درود شریف پڑھتا رہے۔ تسبیح و تحمید کرتا رہے اور اس بات سے بے نیاز ہو جائے کہ کہاں کون ہے؟ کوئی ہے یا نہیں، بڑا ہے چھوٹا ہے، کوئی کیا کر رہا ہے؟ کیا نہیں، اُسے کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ صرف وہ اور اُس کا اللہ ہے تو اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرنی چاہئے آگے اُس کی مرضی ہے کسی کی مزدوری پہ کتنی اجرت عطا فرماتا ہے، کس کے کون سے درخت پہ کتنا پھل دیتا ہے۔

ثمرات ہمیشہ من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ پھل اُس کی طرف سے لگائے جاتے ہیں۔ مجاہدہ اور محنت یہ بندے کے ذمے ہے۔ رمضان مجاہدہ اضطراری ہے۔

مجاہدات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک اختیاری بندہ اپنی مرضی سے اختیار کرتا ہے۔ ایک اضطراری جو حکماً کرایا جاتا ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ حکماً بھی مجاہدے کراتا ہے۔ جس سے خطائیں معاف ہوں۔ نیکی قبول ہو، نیکی کرنے کی توفیق ملے اور آدمی متوجہ الی اللہ ہو۔ رمضان اضطراری مجاہدہ ہے۔ حکماً کرنا پڑتا ہے لیکن اُس میں اعتکاف پھر اختیاری ہے اگر کوئی نہیں کرنا چاہتا تو فرض نہیں ہے۔ اختیاری تب تک ہوتا ہے جب تک آپ وہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اختیار کر چکے تو پھر وہ فرض ہی کی طرح اُس کی پابندی ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر ٹوٹ جائے تو قضا لازم آئے گی۔ کوئی بھی عبادت وہ سنت ہے، نفل تب تک ہے جب تک آپ شروع نہیں کرتے۔ سنت سنت ہے، نفل نفل ہے، جب آپ اُس کی نیت کر کے شروع کر لیتے ہیں تو سنت بھی، نفل بھی، سارے کچھ فرض میں ڈھل جاتے ہیں۔ اگر آپ اُسے توڑ دیں گے تو پھر وہ اُسے ادا کرنا پڑے گا۔ ایک آدمی نفل ہی پڑھ رہا ہے اُس نے ایک رکعت پڑھی دوسری رکعت پڑھنے سے پہلے توڑ دیا تو پھر دو رکعت پڑھنا اُسے اُس کے لئے

ضروری ہوگا۔ جس طرح فرض کی قضا ہے اُس طرح وہ نفل اُسے پڑھنا پڑیں گے۔ چونکہ نفل تب تک نفل ہے۔ سنت تب تک سنت ہے جب آپ شروع نہیں کرتے۔ جب آپ شروع کر لیتے ہیں تو پھر اُس کا پورا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اعتکاف تب تک سنت ہے جب تک آپ نے اختیار نہیں کیا۔ جب کر لیا تو وہی فرائض والی ساری پابندی آ گئی حتیٰ کہ اگر کسی وجہ سے ٹوٹ گیا تو پھر اگلے سال اُس کی قضا لازم ہوگی۔ تو اللہ کریم نے جب اتنا احسان فرمایا ہے پھر اُس نے ذکر قلبی جیسی نعمت عظمیٰ نصیب فرمائی۔ ذاکرین کی محفلیں نصیب فرمائیں۔ اللہ نے سعادت بخشی ہے تو اپنا سارا وقت تلاوت، درود شریف میں بسر کیجئے۔

یہ دنیا یہیں ہے جب اعتکاف ختم ہوگا تو دنیا بھی یہیں ہوگی دنیا والے بھی یہیں ہوں گے۔ اُن سے پھر گپ شپ کر لیں گے کسی سے خیر خیریت پوچھنی ہے، بال بچوں کا حال پوچھنا ہے تو اعتکاف کے بعد عید کے بعد ضرور پوچھتے رہیے گا۔ لیکن اب عید کا چاند، شوال کا چاند، طلوع ہونے تک آپ کے لئے دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ ہیں اور ایک اللہ ہے۔ بندہ یک و تنہا ہے، ایک بندہ ہے اور ایک رب العلمین ہے بس۔ کسی سے اُس کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ کسی کو اُس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ کسی کو پوچھنے کی ضرورت نہیں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی کلمہ زائد از ضرورت زبان سے نہ نکالا جائے اس لئے کہ ہر کلمے کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے جو دل تک جاتا ہے اور کثرت کلام جو ہوتی ہے یہ کیفیات قلبی کو مانع ہوتی ہے۔ جتنی زیادہ آپ باتیں کریں گے قلبی کیفیات میں اتنی کمی آئے گی اور جتنا زبان کنٹرول میں رہے گی۔ اتنی کیفیات قلبی میں زیادتی اور تیزی آئے گی۔ تو غیر ضروری جائز بات بھی نہ کی جائے۔ ضروری بات بھی مختصر الفاظ میں کی جائے اگر چند حرفوں سے مطلب پورا ہوتا ہے تو فالتو بات نہ کی جائے۔ ایک بات یہ بھی سمجھ لی جاتی ہے کہ اب مسجد میں بیٹھے ہیں مسجد میں بات کرنا تو کوئی حرج نہیں۔ ایک غیر معتکف آ گیا اُس نے گپ شروع کر دی، کاروبار تک چلی گئی، بال بچوں تک چلی گئی۔ نہیں سب مانع ہے برکات کو اور اس کی اجازت نہیں ہے۔ معتکف جہان سے کٹ کر صرف اللہ کی طرف متوجہ ہے۔ دن ہو یا رات، گرمی ہو یا سردی، جب تک اُس کا اعتکاف مکمل نہیں ہوتا اُس کے لئے روئے زمین پر ایک وہ ہے اور ایک اللہ کی ذات ہے کوئی تیسرا بندہ نہیں۔ نہ کسی کو سوچے، نہ کسی کی فکر کرے، نہ کسی سے بات کرے، تاکہ اللہ کریم وہ کیفیات وہ یقین اور نور یقین عطا فرمائیں ہم نے صرف دن یا ٹوٹل تو پورا نہیں کرنا۔ مقصد کوئی محض قید گزارنا تو نہیں ہے، اپنے اوپر خواہ مخواہ کی تنگی اور پابندی لگانا تو مقصد نہیں ہے۔ مقصد تو اُس نور یقین کو پانا ہے کہ ہم اللہ کو روبرو پا سکیں۔

جیسا حدیث احسان میں ارشاد ہوا۔ ان تعبد الله کانک تراہ۔ اللہ کی عبادت ایسے کرو گویا تم اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہے ہو۔ فان لم تکن تراہ فانه یراک۔ او کما قال رسول اللہ ﷺ۔ اگر یہ جرات تم میں پیدا نہ ہو کہ میں اپنے اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو یہ یقین تو کم از کم پیدا کر لو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ یعنی حق تو یہ ہے کہ یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں۔ محض سر نہیں پٹک رہا اُس کے روبرو رکوع کر رہا ہوں۔ میرا ہر سجدہ اُس کی بارگاہ میں اُس کے سامنے ہے اور وہ میرے سامنے میرے روبرو ہے۔ اور نہ صرف عبادات میں عملی زندگی میں اُس جمال جہاں تاب کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ھو معکم اینما کنتم۔ تم جہاں کہیں بھی ہو وہ کریم ذات تمہارے ساتھ ہے۔ ساری عملی زندگی، وصال الٰہی اور حضور الٰہی میں ڈھل جائے تو اعتکاف کا مقصد حضور بارگاہ کی کیفیت کو پانا ہے لہذا پوری طرح اُس طرف متوجہ رہیے کثرت کلام سے اجتناب کیجئے۔ ہاں کثرت چاہئے تو قرآن پڑھیں، درود شریف پڑھیں، تسبیحات پڑھیں، دنیا کی باتوں کی کثرت نہیں چاہئے خواہ وہ جائز بھی ہوں۔ نہیں کی جانی چاہئیں۔ اگر منع نہیں ہیں، حرام نہیں ہیں، مکروہ نہیں ہیں، تو بھی کثرت کلام فیض قلبی کو مانع ہے۔ مگر یہ کہ تلاوت ہو، درود شریف ہو، تسبیحات باری ہوں، ہر وہ بات جو اللہ کی طرف متوجہ کرے، کی جائے اور ہر وہ بات جو توجہ الی اللہ کو مانع ہو اُس سے اجتناب کیا جائے۔

اللہ کریم ہم سب کی خطائیں معاف فرما کر ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور سب احباب کو اعتکاف کے ثمرات سے حظ وافر عطا فرمائے۔ امین

اللہ پر اعتماد

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 18-11-03

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

فنادٰھا من تحتھا الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریاo وھزی الیک بجذع النخلۃ تسقط علیک رطبا جنیاo فکلی واشربی وقری عینا فاما ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیاo فاتت بہ قومھا تحملہ o قالو ایمریم لقدجئت شیا فریاo یا اخت ھرون ماکان ابوک امرا سوء وما کانت امک بغیاo فاشارت الیہ قالو اکیف نکلمُ من کان فی المھد صبیاًo قال انی عبداللہ اتنی الکتب وجعلنی نبیا o وجعلنی مبرکا این ماکنت واوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوۃ مادُمت حیاo وبرا بوالدتی ولم یجعلنی جبارا شقیاo والسلم علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیاo

سورۃ مریم سولھواں پارہ میں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کا ذکر خیر ہے اس بات کے بہت سے پہلو قابل غور ہیں انسانی تخلیق کا، انسانی زندگی کا، انسان کے دنیا میں آنے کا اور اُس کے لئے اتنی بڑی کائنات سجانے کا حاصل صرف ایک بات ہے کہ اُسے اللہ پر یقین ہو جائے۔ اُس کا ایمان پختہ ہو جائے۔ اُسے حق الیقین حاصل ہو جائے۔ ساری عبادات، ساری اطاعتیں، ساری نیکیاں، سب کچھ صرف اس کے لئے ہے۔ انسان دنیا میں اس قدر الجھا ہوا ہوتا ہے کہ بے شمار لوگ بات بھی کرتے ہیں، خط بھی لکھتے ہیں، اُن کا دکانداری اچھی کرلیں۔ جو ایمان نہیں لاتے، جو کافر ہیں، اُن میں بھی بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کی تجارت روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگر ہم نے عبادت کر کے وہ حاصل کرنا ہے جو کافر کے پاس بھی ہے تو پھر عبادت کے تکلف کی کیا ضرورت ہے؟ میرا روزگار ختم ہوگیا، میری صحت خراب ہوگئی، بھئی یہ تو ایک دنیا کا معاملہ ہے اسے اپنے حساب سے چلنا ہے، اس کا ایک پکا پورا ٹائم ٹیبل بنا ہوا ہے۔ دنیا بننے سے پہلے اس

کبھی کوئی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ عبادت کی توفیق جو اُس نے دی ہے وہ اپنی معرفت کے لئے ہے

خیال یہ ہوتا ہے کہ میں نماز باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ دو وقت ذکر بھی کرتا ہوں پھر میرا بیٹا بیمار ہوگیا، میری دکان میں نقصان ہوگیا، کبھی کوئی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ عبادت کی توفیق جو اُس نے دی ہے وہ اپنی معرفت کے لئے ہے دکان چلانے کے لئے نہیں دی۔ عبادات کا ثمر، عبادت کا پھل، یہ نہیں ہے کہ آپ کا پورا نظام بنا ہوا ہے، فیڈ ہے، ہر لمحہ اُس کے مطابق بسر ہوتا رہے گا۔ اگر یہ اس طرح قدرت باری کے قبضہ قدرت میں نہ ہوتا تو ایک ایک لحظے کا فرق، اگر سورج اور زمین کے فاصلے میں روزانہ ایک ذرہ کم ہوجاتا تو آج تک زمین جل چکی ہوتی سورج اس کے اتنا قریب آچکا ہوتا۔ اگر دور ہوتا جاتا تو آج تک منجمد ہو چکی ہوتی،

زندگی ختم ہو چکی ہوتی۔ کون ہے جس نے ہر ستارہ، ہر سیارہ کو اُس کی اپنی جگہ پر پابند رکھا ہوا ہے۔

میں نے گزشتہ پندرہ بیس سالوں میں متعدد بار مغربی سائنس دانوں کے واویلے سنے ہیں آپ نے بھی سنے ہوں گے۔ ریڈیو پہ آئے، ٹیلی ویژن پہ آئے، اخبارات میں آئے، کہ اتنی بڑی چٹان شہاب ثاقب کی آ رہی ہے اور زمین سے ٹکرا جائے گی اور زمین تباہ ہو جائے گی۔ پھر کہتے ہیں وہ راستے میں بکھر گئی۔ کوئی کہتے ہیں وہ زمین سے ہٹ کر نکل گئی۔ یہ کوئی چٹانیں ستارے شہاب ثاقب یہ آوارہ چیزیں نہیں ہیں کہ بے وقت ٹکرا جائیں گی۔ جب ٹکرانا ہوگا تو سب کچھ ٹکرا جائے گا۔ کسی کو کوئی روک نہیں سکے گا اور جب تک اُس نے دنیا قائم رکھنی ہے ہر نظام اُس کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔

لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللّٰہ۔ اللہ کے حکم کے سوا کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا۔ کوئی ذرہ کہیں کوئی چھوٹے سے چھوٹا ذرہ، جسے آج کی زبان میں ایٹم کہتے ہیں اُس سے بھی اگر کوئی کم ہے تو وہ بھی اُس کی قدرت کاملہ، اُس کی اجازت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا۔ سوال یہ ہے کہ جب ہم دنیا میں رہتے ہیں تو دنیا سے کنارہ کش کیسے ہوں؟ دنیا ہی تو دین ہے دین صرف عبادات کا نام نہیں ہے۔ عبادات کا حاصل نور ایمان ہے، قوت ایمان ہے، اللہ پر یقین ہے اور اُس یقین کی آزمائش بازار میں، دنیا میں، جا کر ہوتی ہے کہ یہ بندہ دنیوی اعمال کرتا ہے تو کیا اسے اللہ پر یقین ہے؟ یہ اللہ کے حکم کے مطابق کر رہا ہے یا اُس کے خلاف کرتا ہے۔ اس لئے دنیا بھی ضروری ہے۔

بعض بزرگان دین نے اور بڑے معروف بزرگان دین نے جنگلوں میں سکونت اختیار کی۔ ایسے حضرات ایسے مشائخ ایسے اولیا اللہ جن کی شہرت روئے زمین پر تھی جنگلوں میں مکین ہو گئے۔ اب اس سے عوام میں ایک عجیب غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ولی اللہ ویرانوں میں، جنگلوں میں رہتے ہیں اور کوئی کام کاج نہیں کرتے لیکن کیا وہ اپنے شوق سے جنگلوں میں گئے تھے؟ ہرگز

بسے پھر اُن سے کوئی ملا نہیں، کسی سے لین دین نہیں، محض اللہ اللہ کرتے رہے۔ وقت گزارتے رہے تو حضرت رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ سلوک کے جس مقام پر آبادی سے اور کاروبار حیات سے نکلے وہاں دنیا کا کام کوئی نہیں تھا محض اللہ اللہ تھی لیکن اُس سے آگے ترقی نہیں کر سکے۔ اُسی مقام پر وفات ہوئی اُس کی وجہ یہ تھی کہ ترقی درجات کا سبب ہے کہ جب ہم دنیا میں سنت محمد رسول اللہ ﷺ کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ ترقی کا سبب بنتا ہے۔ نماز، روزہ، ذکر واذکار، تلاوت یہ نور یقین کے حصول کا سبب ہے۔

> **صاحب کشف اپنے کشف کا مکلف ہے اگر وہ دینی حدود کے اندر ہے، سنت کے مطابق ہے تو درست ہے اور دوسرے لوگ اُس کے کشف کے مکلف نہیں ہیں مگر وہ خود مکلف ہے اُسے اُس پر عمل کرنا ہوگا**

نہیں، جتنے بھی اولیا اللہ ویرانوں میں گئے، انہیں آبادیوں سے نکالا گیا۔ اُس وقت کے حکمرانوں نے انہیں شہر بدر کر دیا۔ انہیں شہروں میں رہنے کی اجازت نہ دی۔ اُن کی شہرت، لوگوں کی آمد و رفت اور مخلوق کے ہجوم سے گھبرا کر حکمرانوں نے انہیں ویرانوں میں دھکیل دیا اور لوگوں پر اُدھر جانے پر پابندی لگا دی۔ لیکن ایک عجیب بات اس کے باوجود یہ ہوئی۔

حضرتؒ کی خدمت میں یہی بحث ہو رہی تھی تو آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جتنے ولی اللہ اپنی عملی زندگی سے ہٹ کر ویرانوں میں جا

عبادت کا حاصل نور ایمان ہے نورِ یقین ہے نورِ یقین اور ایمان کی امورِ دنیا میں آزمائش ہے جب ہم کاروبار کرتے ہیں، لین دین کرتے ہیں، جنگ اور صلح کرتے ہیں۔ اولاد، رشتہ داروں، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ جب ہم معاملات کرتے ہیں تو پھر پتہ چلتا ہے کہ یہ بندہ اپنے ایمان کا کتنا حق ادا کر رہا ہے اور وہ کام ترقی درجات کا سبب بنتا ہے۔ تو جو عظیم صوفیا ویرانوں میں گئے وہ شوق سے نہیں گئے۔ اُن کا تو نقصان ہوا اُس سے انہیں فائدہ نہیں ہوا۔ لہذا یہ کوئی تصور نہیں ہے کہ نیکی دنیا سے الگ ہو جانے کا

نام ہے۔ نیکی دنیا میں رہ کر' دنیا کا کام کر کے ہی کی جاسکتی ہے۔ غلطی کہاں ہوتی ہے؟ غلطی وہاں ہوتی ہے جہاں ہم دنیا کو اولیت دے دیتے ہیں کہ پہلے دنیا۔ دنیا پہلے نہیں ہے دنیا دوسرے درجے پر ہے۔ پہلے درجے پر نور یقین ہے' نور ایمان ہے' قرب الٰہی ہے' اتباع محمد رسول اللہ ﷺ ہے' بارگاہ نبوی ﷺ سے تعلق ہے اور اُس کے بعد دنیا ہے اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اگر دنیا کو اُس کے بعد رکھا جائے تو دنیوی مسائل کم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور من جانب اللہ وہ مسبب الاسباب اسباب پیدا کرنا شروع فرما دیتا ہے۔ جس سے کام آسان ہو جاتا ہے۔ جس نے بھی دنیا کو دوسرے درجے میں رکھا پوری تاریخ تصوف میں کوئی ایسا بندہ نہیں ملتا جسے کوئی شکایت ہو کہ مجھے دنیا میں دکھ ہے۔ اُس کو دکھ ہوا جس نے دنیا اول رکھی اور دین کو ثانوی درجہ دیا۔ دین بھی دنیا کے لئے بنالیا۔ میں نماز اس لئے پڑھتا ہوں کہ میرا وہ کام ہو جائے۔ حج اس لئے کیا کہ فلاں کام ہو جائے۔

اب اس قصے میں بھی قران کوئی تاریخی کتاب نہیں ہے اگرچہ تاریخی واقعات قرآن نے بیان کئے ہیں اور حرف بحرف لفظ بلفظ حق وہ ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ باقی افسانے ہیں لیکن قرآن کا مقصد تاریخ بتانا نہیں ہے اس واقعہ سے بے شمار عبرت اموز واقعات کا بتانا اور سمجھانا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام کو حمل ہو گیا۔ ولادت کا وقت قریب آیا تو پریشان ہو گئیں۔ اب شادی بھی نہیں ہوئی ہے ،اللہ کا پیغام جبرائیل امین علیہ السلام نے آ کر دیا انسانی شکل میں متشکل ہو کر اُن سے ملے انہیں سمجھایا دم کیا یہ سب اُن کے لئے تھا اس وقوعہ کا صرف جبرائیل امین علیہ السلام کو پتہ ہے یا حضرت مریم علیہا السلام کو پتہ ہے۔ قوم کو تو نہیں پتہ اُن سے الگ وہ ویرانے میں ملے۔ وہاں بات ہوئی۔ ایک ایسی بچی جس کی کرامات مشہور تھیں کوئی عام بچی نہیں تھیں۔ جب بچپن میں والدین نے اللہ کی راہ میں دے دیا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے پاس گھر میں وہ مسجد کے ایک حجرے میں بند کر دیتے۔ کہیں آنا جانا ہوتا تو تالا لگا جاتے۔ واپس آتے تو اندر طرح طرح کے پھل پڑے ہیں قران کریم فرماتا ہے پوچھا

ترجمہ۔ یہ پھل کہاں سے لیتی ہو؟ کیسے آ جاتے ہیں؟ چابی تو میرے پاس ہے۔ باہر سے تالا لگا ہوا ہے۔ فرماتی ہیں اللہ مجھے میرا رزق دیتا ہے۔ وہ میرے پاس نعمتیں بھیجتا ہے تو اب اس طرح کی صاحب کرامت بچی تھی۔ نوجوان ہے' کنواری ہے' اور اب بیٹا پیدا ہونے لگا ہے کوئی شادی نہیں ہوئی کسی سے ملی جلی نہیں۔ یہ ایک کتنا کڑا وقت ہے ایک بچی ایک دوشیزہ کے لئے کہ وہ کس طرح سے دنیا کو فیس کرے۔ آخر دنیا میں رہنا ہے لوگوں کو کیا بتائے گی کہ کیا بات ہے؟ جبرائیل امین علیہ السلام کو تو انہوں نے دیکھا لوگوں نے تو نہیں دیکھا۔ بات اُن سے کی جبرائیل امین علیہ السلام نے اللہ کا پیغام انہوں نے سنا۔ تو یہ ثابت ہوا کہ غیر نبی سے بھی فرشتہ ہم کلام ہوتا ہے۔ غیر نبی کو بھی مشاہدات ہو سکتے ہیں' فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے' اللہ کی طرف سے الہام والقا غیر نبی پر بھی ہوتا ہے۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ نبی پر جو ہوتا ہے اُس کی مکلف ساری امت ہوتی ہے اور وہ حق ہوتا ہے۔ غیر نبی پر جو الہام القا ہوتا ہے وہ برحق ہوتا ہے لیکن غیر نبی کو سمجھنے میں غلطی لگ سکتی ہے۔ نبی کو غلطی نہیں لگتی۔

ایمان اس کمال کا نام ہے کہ بندہ جہاں ہو سلامتی کا امین اور سلامتی بانٹنے والا اور سلامتی رکھنے والا ہو۔

میرے بھائی! مقدم دین ہے اور دنیا اس کے تابع ہے۔

لہذا جو الہام والقا غیر نبی پر وحی اللہ پر ہوگا وہ اُسے سنت نبوی علیہ الصلوۃ والسلام پر پیش کرے گا اگر دینی حدود کے اندر ہے، سنت کے مطابق ہے۔ تو درست ہے اور دوسرے لوگ اُس کے کشف کے مکلّف نہیں ہیں لیکن وہ خود مکلّف ہے اُسے اُس پر عمل کرنا ہوگا۔

صاحب کشف اپنے کشف کا مکلّف ہے اگر اُس کا کشف سنت سے، دین سے، نہیں ٹکراتا اگر دین سے ٹکراتا ہے تو پھر اسے سمجھنے میں غلطی لگی ہے۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا وہ حق ہے اور جو یہ سمجھ رہا ہے وہ غلط ہے اُسے چھوڑ دے۔

تو جب وہ زیادہ پریشان ہوئیں تو فرمایا۔ فنا دھا من تحتھا ۔ ہم نے انہیں نشیب سے آواز دی۔ انہیں نشیب کی طرف سے آواز آئی۔ الا تحزنی قد جعل ربک تحتک سریاً مریم علیہا السلام پریشان مت ہو۔ سخت پیاس بھی لگی ہوئی تھی۔ ولادت کے بعد پھر پانی کی ضرورت بھی پڑ سکتی تھی حیران پریشان لوگوں سے دور ویرانے میں کھڑی سوچ رہی ہیں کوئی علاج معالجے والا بھی نہیں، کوئی مدد کرنے والا بھی نہیں، پانی نہیں، کھانا نہیں، دوائی نہیں، کیا ہوگا؟ فرمایا! انہیں اُترائی میں سے آواز آئی پریشان نہ ہو تیرے رب نے تیرے قدموں میں چشمے جاری کر دیئے ہیں۔ ذرہ نیچے دیکھ تو سہی اگر صحرا تھا، ویرانہ تھا، ریگزار تھا، اب نہیں ہے قد جعل ربک تحتک سریاً o تیرے پروردگار نے، یہاں اللہ کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اللہ ذاتی نام ہے اور اب صفاتی نام ہے۔ رب وہ ہے جو پالتا ہے، رزق دیتا ہے، ضرورتیں پوری کرتا ہے، تیرے رب نے تیری ضرورتیں پوری کرنے والے نے تیری ضرورت کے لئے چند گلاس، ایک مٹکا، کوئی ایک حوض پانی کا نہیں، بلکہ تیرے نیچے قدموں کے نیچے دیکھ تو سہی چشمہ جاری کر دیا ہے اور ویرانے میں، اجاڑ میں، پرانے کھجور کے تنے اُجڑے ہوئے کھڑے تھے۔

فرمایا وھزی الیک بجذع النخلۃ. یہ پرانا تنا جو کھجور کا کھڑا ہے اسے ہلاؤ تو سہی۔ دنیا عالم اسباب ہے تم سبب اختیار کرو۔ تم اسے ہلاؤ تو سہی۔ تسقط علیک رطبا جنیا o یہ تجھ پر تازہ کھجوریں پھینکے گا۔ یہی پھل دے گا، یہی کھجوریں دے گا، پانی کی ضرورت تھی؟ پانی فراہم فرما دیا۔ کھجور غذا بھی ہے اور ولادت کے لئے وضع حمل کے لئے دوا بھی ہے۔ وہ ایسا قادر ہے اُس نے غذا بھی ایسی دی جو اُس وقت وضع حمل کے لئے ضروری تھی۔ دوا کا کام بھی کرے غذا کا کام بھی کرے۔ تو فرمایا آپ تنے کو ہلاؤ تو سہی یہ بیکار تھی اب بیکار نہیں ہے۔ آپ اسے ہلاؤ یہی تازہ کھجوریں دے گا۔

فکلی واشربی. کھاؤ پانی پیو۔ وقری عیناً اور بیٹے کی ولادت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ تمہیں چاند سا بیٹا دے رہے ہیں۔ جو میرا نبی ہوگا تو اپنی آنکھیں اُس خوشی سے، اُس مسرت سے ٹھنڈی کرو۔ ہاں اگلا ڈر جو تمہیں ہے کہ قوم کو میں کیا جواب دوں گی؟ آخر اسے جنگل میں تو بسر نہیں ہونا گھر کیسے لے کر جاؤں گی؟۔

فاما ترین من البشر احداً فقولی انی نذرت للرحمٰن صوماً. اگر کوئی آدمی نظر آئے؟ جب واپس قوم کے پاس جاؤ جب لوگ ملیں تو انہیں اشارے سے بتاؤ کہ میں نے خاموشی کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ بنو اسرائیل میں اور اُن انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے مذہب میں خاموشی کا روزہ بطور نذر رکھا جاتا تھا۔ اسلام میں نہیں ہے۔ تو آپ کہہ دیجئے کہ میں بات نہیں کرتی۔ فاتت به قومھا تحملہ. اب وہ بچہ لے کر واپس قوم کے پاس آئی۔ کوئی عام خاتون ہوتی شاید لوگ پرواہ نہ کرتے۔ لیکن ایک بچی جو اللہ کے گھر میں پلی، پڑھی، جسے والدین نے اللہ کی راہ میں نذر کر

میاں جو جس نیت سے آتا ہے اللہ اُس سے واقف ہے۔ وہ کار ساز ہے اُس کا کام کر ہی دیتا ہوگا

دیا۔ عبادت خانے میں رہی' اللہ کے نبی علیہ السلام کے زیر پرورش رہی اور صاحب کرامت مشہور تھی۔ اب جب اُس کو بغیر شادی کے نوعمری میں، نوجوانی میں' بچہ اٹھائے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا۔

یا خت هرون ماکان ابوک امرا سوءً وما کانت امک بغیاً. اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بھی ایسا نہیں تھا' تیری ماں بھی ایسی نہیں تھی' تیرے والدین تو شریف نیک مشہور

ہے ہم اُس سے کیا بات کریں؟ عیسیٰ علیہ السلام بول پڑے انہوں نے کہا!

انی عبداللّٰہ ہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔

اتنی الکتٰب. میں اللہ کا صاحب کتاب نبی ہوں۔ وجعلنی نبیاً مجھے اللہ نے نبی بنایا ہے اور مجھے کتاب دے گا۔ میں صاحب کتاب ہوں۔ وجعلنی مبر کا این ماکنت مجھے بابرکت بنایا میں جہاں بھی ہوں گا۔

واوصنی بالصلوٰة. مجھے اپنی عبادت

ابعث حیا ہ جب میں میدان حشر میں اٹھوں گا۔ تو میں جہاں بھی ہوں گا میرے لئے اُس نے سلامتی مقرر کردی۔

اب اسی میں ایک سبق یہ بھی ہے کہ ایمان اس کمال کا ہے کہ بندہ جہاں ہو سلامتی کا امین اور سلامتی بانٹنے والا اور سلامتی رکھنے والا ہو۔ دنیا میں موت کے وقت' موت کے بعد میدان حشر میں' کامل مومن وہ ہے جو سلامتی کا امین ہو' سلامتی بانٹتا ہو اور لوگوں کو سلامتی پہنچاتا ہے۔ ہم ساری عمر عبادت بھی کرتے ہیں' حج بھی کرتے ہیں' زکوۃ بھی دیتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں' سارے حیلے کرتے ہیں' لیکن ہمیں سلامتی تو دور کی بات ہے اپنی نجات کا یقین نہیں ہوتا۔ اللہ کے عذاب سے پناہ مانگنا ایک الگ بات ہے۔ غضب الٰہی سے ڈرنا برحق ہے لیکن ایک یقین تو ہونا چاہئے اللہ پر ایک اعتماد تو ہونا چاہئے۔ ہمارا وہ اعتماد کیوں بحال نہیں ہوتا۔

جب نور ایمان نصیب ہو جائے۔ حق الیقین نصیب ہو جائے تو امور دنیا بھی از خود حل ہوتے چلے جاتے ہیں

تھے' تو نے یہ کیا کیا؟

فاشارت الیہ. انہوں نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اپنے کشف' القاوالہام ہو اور جو مکالمہ ربانی ہوا اُس پر اتنا یقین واعتماد تھا۔ سارا کام اُس کے مطابق ہوتا رہا۔ اب ایک بچہ جس کی ولادت کو چند گھنٹے ہوئے۔ اُس کی طرف اشارہ فرمائیں۔ اس سے بات کرو۔ میرا تو روزہ ہے۔ تو انہوں نے کہا عجیب بات ہے۔

قالو کیف نکلم من کان فی المھد صبیاً ہ اب ایک معصوم بچہ جو نومولود

کا حکم دیا ہے. والزکوٰة. بدنی اور مالی عبادت کا حکم دیا مادمت حیاً. جب تک میں دنیا میں رہوں۔ اللہ کی عبادت کروں۔ اللہ کی عبادت میں رہوں۔ وبرا بولدتی. اور اپنی والدہ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤں۔ ولم یجعلنی جباراً شقیاً ہ اور مجھے نہ اُس نے ظالم بنایا ہے' نہ جبر کرنے والا اور نہ بد بخت بنایا ہے۔

والسلم علی یوم ولدت. میرے لئے اللہ کی طرف سے سلامتی ہے جب میں پیدا ہوا۔ یوم اموت. جب میں مروں گا۔ ویوم

مولانا عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ عمر رسیدہ بزرگ تھے' صاحب حال تھے اور قرآن حکیم سے انہیں بہت شغف تھا جو بھی ملاقات کے لئے جاتا اُسے کہتے میاں تمہیں قرآن مجید آتا ہے۔ اچھا سناؤ اب سارے لوگ تو حافظ نہیں ہیں۔ جی میں تو حافظ نہیں ہوں۔ اچھا کہیں سے تو آتا ہوگا۔ جی صرف قل شریف آتا ہے اچھا وہی سناؤ۔ سورۃ فاتحہ سنادو' وہ تو نماز میں روز پڑھتے ہو۔ بیٹھو سناؤ کوئی حافظ قابو آجاتا تو وہ اپنے کام سے جاتا جتنی دیر وہاں بیٹھا رہتا' وہ قران سنتے رہتے۔ ایک دن کسی

نے عرض کی حضرت لوگ ملاقات کو بھی آتے ہیں اور لوگوں کو اپنے کچھ مسائل بھی ہوتے ہیں۔ وہ آپ کی خدمت میں کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، کوئی دعا کرانا چاہتے ہیں، آپ پکڑ کر قرآن پڑھنے پہ لگا دیتے ہیں۔ وہ قران پڑھتا اٹھ جاتا ہے۔ انہوں نے کہا بھائی میاں جو جس نیت سے آتا ہے اللہ اُس سے واقف ہے وہ کارساز ہے اُس کا کام کر ہی دیتا ہوگا۔ ہم نے کیا اُس کا کرنا ہے۔ جہاں تک میری بات ہے میاں ہم تو مریں گے، قبر میں جائیں گے وہاں حوریں آئیں گی اُن سے بھی کہیں گے بی بی قرآن آتا ہے تو سناؤ نہیں تو جاؤ۔ یعنی اُن کے اس جملے میں آپ ایمان کی وہ جھلک دیکھیں یقین اور اعتماد دیکھیں کہ بابے کو کتنا یقین ہے کہ مریں گے قبر میں جائیں گے تو حوریں آئیں گی۔

عذاب قبر برحق ہے اُس سے ڈرنا بھی اچھی بات ہے۔ حساب کتاب بھی ہے لیکن بندے کا یقین اور ایمان کیسا ہے؟ کہ جب مریں گے قبر میں جائیں گے۔ حوریں آئیں گی تو اُن سے بھی کہیں گے بی بی قرآن آتا ہے تو سناؤ نہیں آتا تو جاؤ۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کے سامنے قبر کے فرشتوں کے سوال و جواب کی بابت بات ہو رہی تھی انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جب ہم قبر میں جائیں گے اور فرشتے آئیں گے تو ہمارے حواس سلامت ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک فرمایا پھر تو میں اُن کے منہ میں پتھر ٹھونس دوں گا۔ انہیں لاجواب کر دوں گا۔ پھر فرشتے ہم سے بات کیوں کریں گے؟ پھر وہ ہم سے کیا پوچھ سکیں گے؟ کہ ہمارے حواس بھی سلامت ہوں پھر وہ ہم پر سوال کریں ایسے جواب دوں گا کہ لاجواب۔ عربی کا محاورہ آپؓ نے استعمال فرمایا کہ میں اُن کے منہ میں پتھر بھر دوں گا یعنی خاموش کر دوں گا۔ اولیا اللہ کے احوال میں ایک ولی کے بارے، میں نے پڑھا کسی نے برزخ میں اُن سے پوچھا کہ بھئی جب قبر میں پہنچے کیسے گزری، فرشتے آئے تھے کیا کیا ہوا؟ آتے ہی انہوں نے سوال کر دیا۔ من ربک. تو میں نے کہا کہاں سے آئے ہو؟ آسمانوں سے تو میں نے کہا میں گز بھر زمین کے نیچے آ گیا ہوں مجھے رب بھول گیا اور تم آسمانوں سے زمین تک آئے ہو تمہیں رب یاد ہے۔ میں نے تو اتنا فاصلہ طے نہیں کیا۔ جتنا تم کر کے آئے ہو۔ کیا یہ فاصلہ کرنے سے رب بھول جاتا ہے؟

نورِ یقین نصیب ہو جائے تو کوئی مسئلہ رہتا ہی نہیں

چلے گئے کیا عجیب لوگ ہیں؟ یہ سارے انسان ہیں اسی طرح مٹی کے پتلے انہیں گرمی، سردی، بھوک، پیاس، دوستی، دشمنی، سب کچھ یہاں سے جھیل کر گئے ہیں فرق کیا ہے؟

فرق یہ ہے کہ انہوں نے عبادات کا حاصل ایمان کو سمجھا اور اُسے پایا۔ حضرت مریم علیہ السلام کے سارے امور دنیوی نہیں ہیں۔ بچے کی ولادت کھجوروں کی ضرورت، پانی کی ضرورت، قوم کو جواب یہ سارے دنیوی امور ہیں۔ قادر مطلق خود بتاتا گیا کہ اب یہ کرو۔ اب یہ کرو۔ جب نور ایمان نصیب ہو جائے۔ حق الیقین نصیب ہو جائے تو امور دنیا بھی از خود حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کہیں ہمیں سمجھ آتی ہے، کہیں ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا، اور کام ہوتے رہتے ہیں مصیبتیں ٹلتی رہتی ہیں۔ مسائل حل ہوتے رہتے ہیں۔ اور نور یقین نصیب ہو جائے تو کوئی مسئلہ رہتا ہی نہیں باقی مسئلہ ہے کیا؟ باقی تو مسائل کی حیثیت ثانوی ہے ہوئے ہوئے نہ ہوئے تو کیا ہوگا؟ دنیا میں دولت ملی ملی نہ ملی تو کیا ہوگا؟ بس نہیں ہو جائے گی۔ کسی کو عہدہ مل گیا نہ ملا تو جسے عہدہ نہیں ملتا اُس کی زندگی کٹ نہیں جاتی۔

سو میرے بھائی! مقدم دین ہے اور دنیا اُس کے تابع ہے۔ دنیا کو دین میں ڈھالنا اسلام ہے اور دنیوی کاموں کو عبادت کا درجہ دو۔

رونا بھی ایک نعمت ہے

اللہ کو آدمی نے جب کوئی تحفہ پیش کرنا ہو تو یہ ڈھونڈتا ہے کہ اللہ میں کون سی بات کی کمی ہے، وہ بات اسے تحفہ دو، تو اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ ہم بڑے حیران ہوئے کہ اللہ تو اللہ ہے، اس کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ تو بابا جی! نے کہا اللہ کے پاس عاجزی کی کمی ہے۔ اللہ عاجز نہیں ہوتا، وہ تو عزیز ہے، جبار ہے، متکبر ہے، اگر آپ اس کے ہاں عاجزی لے کر جائیں گے تو اللہ کہے گا، واہ واہ یہ مجھے ضرور دینا

دانشور اشفاق احمد

☆☆☆☆☆☆☆

نعت کا حسن بھی عجیب حسن ہوتا ہے۔ اسے آپ گرامر کے ترازو پر تول نہیں سکتے۔ نعت براہ راست دل اور روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ فارسی نعت اور خاص طور پر جامی کی نعتیں تو ایک منفرد رنگ رکھتی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اب ہمارے ہاں فارسی نہ تو پڑھی جاتی ہے نہ پڑھائی جاتی ہے، لیکن یہ کوئی ایسی مشکل نعتیں نہیں۔ پچھلے دنوں اسی ماہ ایک مختصر بہت ہی چھوٹی سی محفل قوالی کا انتظام ہوا اور آپ کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوگی کہ وہ قوالی بہت دھیمے سروں میں پیش کی گئی۔ وہاں چند لوگ ہی تھے، قوال جامی کی فارسی نعت پڑھ رہے تھے اور جب اس شعر پر پہنچے۔

سوئے من نظر آئید من مسکین
فدائے نقش نعلین کنم جاں یا رسول اللہ ﷺ

یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ اے حضور نبی اکرم ﷺ اگر آپ میری جانب نظر کریں، کسی طور تو میں تو غریب، نادار اور مسکین ہوں۔ میرے پاس کچھ ہے نہیں تو میں آپ کے نقش نعلین پر اپنی جان قربان کرسکتا ہوں اور وہ بڑے شوق سے کروں گا۔

قوال بڑے منفرد اور عجیب انداز میں یہ بات کر رہے تھے بات اور الفاظ کو بھی بڑے

کبھی کبھی انسان کو گریہ بھی کرنا چاہئے۔ اس کی آنکھوں کو اشکبار ضرور ہونا چاہئے، ورنہ یہ ساری زندگی جو ہے، فضول میں گزر جاتی ہے۔

چناؤ کے ساتھ جامی نے استعمال کیا ہے وہاں دیوار سے "ڈھو" لگائے ایک بزرگ بیٹھے تھے اچھی عمر کے جنہیں ریٹائر ہوئے کوئی بارہ چودہ سال ہو چکے ہوں گے میرا خیال ہے وہ فیڈرل گورنمنٹ کے بیوروکریٹ لگتے تھے بیوروکریٹس کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور وہ اتنی ساری نوکری کرنے کے بعد اس قابل نہیں رہتے بیچارے کہ وہ ریٹائرمنٹ کی زندگی کو ڈھیلے انداز میں گزار دیں یہ صاحب تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ جب یہ شعر آیا تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں دو بڑے بڑے آنسو آئے اور انہوں نے اپنے کوٹ کی آستین پر ماتھا رکھ لیا، یہ چھپانے کیلئے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ وہ رو رہے ہیں لیکن ان کی کیفیت کچھ اور طرح کی تھی۔ میں جو اُن کے قریب تھا، نے کہا یہ گریہ بڑی نعمت ہے، جو کسی کسی کو میسر آتا ہے۔ وہاں پر ہم اور لوگ بھی تھے ہماری آنکھوں کو کچھ نہیں ہوا، ویسے ہی خشک تھیں اور یہ آدمی جس کو ہم سمجھتے تھے کہ بیوروکریٹ ہے، اس پر یہ کیفیت طاری تھی تب مجھے خیال آیا کہ کبھی کبھی انسان کو گریہ بھی کرنا چاہئے۔ اس کی آنکھوں کو اشکبار ضرور ہونا چاہئے، ورنہ یہ ساری زندگی جو ہے، فضول میں گزر جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ مرد بہادر ہوتا ہے اور رونا عورتوں کا کام ہے کہا جاتا ہے کہ خبردار! اگر تم نے مرد ہو کر آنسو بہائے۔ کوئی مشکل وقت بھی آئے تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں جناب ہم بہادر ہیں

اور روتے نہیں۔ ہمارے ہاں بھی ایسا ہی ہے۔میری بھانجی کہتی ہے میرا خاوند بڑا اچھا ہے ماموں، لیکن یہ بڑھا ''گھنا'' ہے عورتوں کو ایک بڑی شکایت یہ بھی ہوتی ہے کہ خاوند ''گھنے'' ہوتے ہیں۔وہ کہتی ہے مجھے تو کچھ بتاتا نہیں۔کبھی اس نے کچھ پتہ نہیں دیا ہر وقت چپ سا رہتا ہے میں نے کہا' بھی یہ تو کوئی خاص شکایت نہیں۔کہنے لگی' نہیں مجھے اس بات پر ان سے بڑی شکایت ہے۔میں پوچھتی ہوں کہ آپ چپ چپ کیوں ہو' وہ کہتا ہے میں آپ سے کیا بات کروں۔

عورتوں میں یہ بڑی شکایت ہے۔میں بھانجی سے کہتا ہوں۔یہ اس کا قصور نہیں ہے۔ ہر مرد جو ہے وہ بامر مجبوری ''گھنا'' ہی ہوتا ہے' اس لئے کہ جب وہ چھوٹا تھا تو اس کی امی اور بہنیں کہا کرتی تھیں' خبردار! اگر تم روئے تو مرد نہیں ہو۔تم آنسو پی جاؤ۔خون نکلا ہے تو کوئی بات نہیں' تم مرد ہو۔تم نے رونا نہیں' وہ بیچارا زبردستی منہ بھینچ کے کھڑا ہو جاتا ہے۔ چلتے چلتے وہ جب بڑی عمر کو پہنچتا ہے تو یہ ساری جھڑکیاں اکٹھی ہو کر اس کے ذہن کے اوپر اپنا پورا پنجہ جما کے بیٹھتی ہیں۔اور وہ کہتی ہیں کہ نہیں جی! مرد ہو کہ اب تم نے ہرگز ہرگز رونا نہیں اور گریہ اختیار نہیں کرنا' اس لئے مرد بیچارے کو گھنا ہی ہونا پڑتا ہے۔یہ مردوں کی ٹریننگ ہوتی ہے۔

ہمارے بابا جی سائیں فضل شاہ صاحب کے ڈیرے پر ہم بیٹھے ہوئے تھے تو ایک صاحب آئے۔انہوں نے کہا جی میں روحانیت کا درس لینا چاہتا ہوں۔بابا جی چپ رہے اور پھر کہا اس کا درس نہیں ہوتا' آپ آتے رہیں' ملتے ملاتے ہیں' کچھ باتیں ہوتی رہیں گی۔اس میں سے کچھ باتیں آپ کو پسند آئیں گی' کچھ نہیں آئیں گی۔ اس نے کہا' جی میں ساٹھ مربعوں کا مالک ہوں اور میرے تین گاؤں ہیں اور ہم بڑے خاندانی لوگ ہیں۔اب ہمارے بابا جی چونک اٹھے کہ یہ تو بہت طاقتور آدمی ہے۔یہ روحانی سفر کیسے طے کرے گا۔وہ تو بڑی عاجزی اور سپردگی کا عمل

> **بابا جی چونک اٹھے کہ یہ تو بہت طاقتور آدمی ہے۔ یہ روحانی سفر کیسے طے کرے گا۔ وہ تو بڑی عاجزی اور سپردگی کا عمل ہوتا ہے۔**

ہوتا ہے۔وہ شخص کہنے لگا' جی میں اب اللہ کے فضل سے وزیر بن گیا ہوں۔میری کار پر جھنڈا لگتا ہے۔آپ باہر جا کر دیکھ لیں' آپ کے ڈیرے کے باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ہم نے کہا کہ نہیں نہیں' ضرور لگا ہو گا جھنڈا' تو اب جو اُن کو بابا جی نے پہلا ہی سبق دینا تھا ''الف'' سے آم ''ب'' سے بلی والا دے سکتے کہ اس بیچارے کو کیا کہیں کہ یہ کیسے کرنا ہے۔بابا جی کہنے لگے' اللہ بڑی برکت دے گا۔بس آپ جائیں۔اس نے کہا جی میں کوئی روحانی درس لینا چاہتا ہوں اور بولا ''انسان دے اندر دی روح کس طرح بیدار ہو سکدی اے؟ اور وہ بڑی دبی ہوئی اے تے عبادت کری دی اے تے کج نہیں ہوندا۔''

اپنی عبادت پر بھی وزیر موصوف کو بڑا گھمنڈ تھا اور وہ بار بار تکرار کرتے تھے۔وہ تو چلے گئے اور اپنا سارا دبدبہ اور رعب وہیں ڈیرے پر چھوڑ کر چلے گئے۔ہم وہاں خوفزدہ بیٹھے تھے۔ان کے جانے کے بعد بابا جی نے کہا کہ دیکھو تحفے کی بات کی انہوں نے۔کہنے لگے جب آدمی کسی کو تحفہ دیتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ تحفے میں ایسی چیز دے جو کہنے والے کے پاس پہلے سے نہ ہو' یا اس نے دیکھی بھی نہ ہو یا اس کی نظر سے بھی نہ گزری ہو۔مثلاً کبھی آپ کسی قصائی کے پاس گوشت کا تحفہ لے کر نہیں جائیں گے اور کسی حلوائی کو مٹھائی نہیں بھیجیں گے۔کہنے لگے کہ اللہ کو آدمی نے جب کوئی تحفہ پیش کرنا ہو تو یہ ڈھونڈتا ہے کہ اللہ میں کون سی بات کی کمی ہے' وہ بات اسے تحفہ دو' تو اللہ بہت خوش ہوتا ہے۔ہم بڑے حیران ہوئے کہ اللہ تو اللہ ہے' اس کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ تو بابا جی نے کہا اللہ کے پاس عاجزی کی کمی ہے۔اللہ عاجز نہیں ہوتا' وہ تو عزیز ہے' جبار ہے' متکبر ہے' اگر آپ اس کے ہاں عاجزی لے کر جائیں گے تو اللہ کہے گا' واہ واہ یہ مجھے ضرور دینا' علی اکبر عباس لے کر آیا ہے شاباش یہ ٹوکری رکھ دے' وہاں پر۔واہ کیا کمال ہے۔جب عاجزی لے کر جائیں گے تو ہی آپ کی آنکھ نم ہو گی۔آپ میں رکوع پیدا ہو گا'

ورنہ تو کچھ نہیں ہوگا۔ وہ بات جو اس جھنڈے والی کار کے مالک کو کہنی تھی' وہ ہمیں بتائی گئی۔ ہماری قسمت اچھی تھی کہ ہمیں وہ بات عطا ہوئی۔

باباجی نے کہا گریہ بڑی نعمت ہے اور جو آنکھ کبھی روئی نہیں' وہ آنکھ' آنکھ نہیں ہے۔ وہ انسان' انسان نہیں ہے۔ اس پر مجھے ایک واقعہ اچانک یاد آیا۔ دوسری جنگ عظیم کا ایک امریکی کرنل تھا' جو جرمنی میں تعینات تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے ختم ہونے کے ایک ہفتہ بعد فرینکفرٹ میں اپنی' جیب میں گزر رہا تھا اور شکست خوردہ جرمنی سپاہی پھٹے حالوں' دریدہ وردیاں پہنے ہوئے خستہ حالت میں قطار کے اندر ڈھیلی مارچ کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ بہت سے باپ واپس جا رہے تھے' بیٹے واپس جا رہے تھے' خاوند' بھائی واپس جا رہے تھے' بیٹے واپس جا رہے تھے' خاوند' بھائی واپس جا رہے تھے' کرنل نے جیپ روکی اور کہا' ایک ہفتہ قبل یہ میرے دشمن تھے' شدید دشمن اور میں ان سے بے پناہ نفرت کرتا تھا' لیکن اب کون لوگ ہیں' جو اس طرح کی ذلت سے جا رہے ہیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کہ یا خدا! یہ تیری شان ہے' تو کیا کچھ کر سکتا ہے اور اتنے اونچے سر والے ہٹلر کی تقریریں سننے والے یہ اس طرح سے چلے جا رہے ہیں' اس پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کے آس پاس کے لوگوں نے اسے سنبھالا دیا' لیکن اس نے کہا' مجھے گھر واپس بھیج دو' میں فوج کی نوکری ہی چھوڑ رہا ہوں۔

گریہ واقعی ایک نعمت ہے اور یہ انسانی روح' بدن اس کے جذبات اور نفسیات کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں' جس کو ہم نے کسی وجہ سے نظر انداز کیا ہوا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ رونا بڑا خوبصورت عمل ہے جب آدمی کی کیفیت بہت اونچے درجے پر ہو تو پھر رونا آتا ہے۔ اس

> گریہ کرنے سے نہ صرف انسانی صحت اچھی رہتی ہے بلکہ عمر بھی لمبی ہوتی ہے۔ اگر آنکھیں نہیں روئیں گی تو آپ کے بدن کا کوئی اور عضو روئے گا جس کا آپ کو پتہ نہیں چلے گا آپ کا جگر روئے گا آپ کا دل روئے گا، آپ کا دماغ روئے گا

طرح رونا قسمت والے آدمی کو آتا ہے۔

ہمارے ایک دوست تھے۔ ہم نے اکٹھے نوکری کی۔ یہ میری جوانی کے زمانے کی بات ہے۔ وہ بینک میں ملازم ہوئے۔ میں کالج میں چلا گیا ہم ملتے رہے۔ شام کو ہماری ایسی محفلیں ہوتی تھیں' جو دیر گئے تک جاری رہتیں۔ وہ بینک میں بہت محنت سے کام کرتے تھے۔ ایک دن ان کے انگریز منیجر نے سختی سے کہا کہ معراج تم بہت کام کرتے ہو' تم Break لو اور ایک مہینے کی چھٹی پر جاؤ۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ انہوں نے چھٹی لی' مری کا ٹکٹ کٹوایا اور وہاں ایک ہوٹل میں کمرہ بک کرایا اور کہنے لگے کہ میں واقعی اب تھوڑا آرام کروں گا۔ تیسرے چوتھے دن میں نے دیکھا کہ پرانی انارکلی میں کتابوں کی دکان کے پاس معراج صاحب کھڑے ہیں۔ میں نے کہا آپ گئے نہیں؟ کہنے لگے' نہیں! میں گیا تھا' پھر واپس آ گیا۔ میں کہا کہ صرف ایک دن رہے۔ اس نے کہا نہیں' میں ایک رات ہی وہاں ٹھہرا۔ میں نے کہا کام کی لت پڑی ہوئی تھی' اس لئے آ گئے۔ کہنے لگے نہیں کام کی لت نہیں' میں بس آ ہی گیا۔

میں نے کہا یار! میں تو بہت متجسس ہو رہا ہوں کہ واپس کیوں آ گئے؟ کہنے لگے میں مری گیا' جا کر سامان رکھا' ہوٹل میں اور مال روڈ پر آ گیا۔ آگے ایک ماں اور بیٹی آ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ بیٹی اتنی خوبصورت تھی کہ میرا رونا نکل گیا۔ کہنے لگا میں واپس ہوٹل چلا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ میں تو ایک مہینہ یہاں رہوں گا اور یہ بھی سیر کرنے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے روز ملاقات ہوگی۔ روز کے رونے سے میری تو جان نکل جائے گی۔ ایسے بھی ہوتا ہے یہ صاحب دل لوگوں کی باتیں ہیں۔

ایک مرتبہ ہم ناران میں قیام پذیر تھے واپس آئے تو ایک بڑا لحیم شحیم مضبوط جسم والا پڑھا لکھا آدمی' جو یا تو پروفیسر ہوگا یا کوئی سائنس دان' وہ دریائے کنہار کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ وہاں دریا بڑی روانی کے ساتھ بہتا ہے اور بڑی آواز دیتا ہے۔ پیچھے پہاڑ ہیں اس کے اوپر بگلے اور پہاڑی کوے بڑے خوبصورت اور عجیب انداز میں

گھومتے ہیں اور پانی سے مچھلیاں چھلانگیں لگاتی ہیں۔ وہ شخص وہاں کھڑا دیکھتا رہا، پھر اچانک بھائیں بھائیں کر کے اونچی آواز میں رونے لگا۔ میرے ساتھ ممتاز مفتی پریشان ہو گئے۔ وہ اسے جا کر سمجھانے لگے۔ وہ کہے جا رہا تھا دیکھو، کتنا خوبصورت نظارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا خوبصورت منظر بنایا ہے۔ وہ شخص قدرت کے حسن میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا، اللہ اور اللہ کی مخلوق کے حسن میں اس قدر غرق تھا کہ بس۔

یہ قسمت والے لوگ ہوتے ہیں۔ مفتی صاحب اسے تسلی دینے لگے تو میں نے کہا اس کی تسلی کیا کرو گے کہ انشاء اللہ ایسا نظارہ نہیں رہے گا۔ کیا اسے یہ کہو گے؟ یہ تو کوئی بات نہیں۔ ہم لوگ جو گریہ کی نعمت سے عاری ہیں، بہت کچھ کھوتے ہیں۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے فوت ہوئے تو آپؐ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔ امام عالی مقام کی شہادت پر اس وقت کے لوگ بھی روئے اور اس وقت سے صاحب دل لوگ گریہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ یہ کوئی بری بات نہیں، اچھی بات ہے۔ ایک ڈاکٹر ولیم اوجیمز ہے، وہ کہتا ہے کہ گریہ کرنے سے نہ صرف انسانی صحت اچھی رہتی ہے، بلکہ عمر بھی لمبی ہوتی ہے۔ اس نے وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر آپ زور لگا کر قوت کے ساتھ اپنی آنکھوں کو خشک رکھیں گے اور یہ کہیں گے کہ میں بہادر آدمی ہوں، میں نہیں روتا اور میری کار پر جھنڈا لگا ہوا ہے اور میں ساٹھ مربع کا مالک ہوں تو یاد رکھئے آپ غلطی پر ہیں۔ اگر آنکھیں نہیں روئیں گی تو آپ کے بدن کا کوئی اور عضو روئے گا، جس کا آپ کو پتہ نہیں چلے گا، آپ کا جگر روئے گا، آپ کا دل روئے گا، آپ کا دماغ روئے گا اور مشکل یہ پڑے گی جیسے بیبیاں جانتی ہیں کہ اگر پریشر ککر میں پائے چڑھا دیں اور اس پر سیفٹی والو نہ لگایا جائے تو ککر پھٹ جاتا ہے۔ اس طرح یہ جو گریہ ہے، کوئی شرمندگی کی بات نہیں۔ اگر اس صاحب کی طرح، جو ہمارے ساتھ قوالی سن رہے تھے، آنسو آئیں تو انہیں آنے دینا چاہئے۔

کسی کو جب آخر شب تین بجے کے بعد فجر کی نماز سے پہلے گریہ کی کیفیت مل جائے، تو پھر وہی جانتا ہے اسی کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے کیا کچھ ملتا ہے۔

اب ان صاحب کی تربیت یہ تھی کہ وہ سب کے سامنے آنسو نہیں بہا سکے انہیں بھی اپنے بازو پر آنکھیں رکھ کر آنسو چھپانے پڑے کیونکہ اس سے شرمندگی ہوتی ہے، لیکن جو پروفیسر اللہ کے خوبصورت نظاروں پر خوش ہو رہا تھا، وہ کھلے بندوں کھڑا تھا اور وہ اللہ کی شان میں گم تھا۔ میں نے ایسا درویش، ایسا فقیر ایسا صوفی پہلے کوئی نہیں دیکھا۔ اگر کسی شدید دباؤ کی وجہ سے رونا آئے تو اسے آنے دینا چاہئے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو بڑا زور لگا کر اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی برتری ثابت کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ نہیں ہم رونے والوں میں سے نہیں۔ یہ کوئی اچھی سوچ نہیں۔ جسمانی طور پر بھی اپنی صحت کو برقرار رکھنے کے لئے گریہ یا اشکباری بہت ضروری ہے اور کسی کو جب آخر شب تین بجے کے بعد فجر کی نماز سے پہلے گریہ کی کیفیت مل جائے تو پھر وہی جانتا ہے اسی کو پتہ ہوتا ہے کہ اسے کیا کیا کچھ ملتا ہے۔ لیکن ہماری ٹریننگ ایسی ہے اور ہمیں بچپن سے بتایا گیا ہے کہ بہادر آدمی نہیں روتے، لیکن سب کے سامنے بھی رونا آ جائے تو اسے اتنا نہیں چھپانا چاہئے، جتنا ہم اسے چھپاتے ہیں، رونے یا گریہ کرنے کا مطلب ہرگز ہرگز یہ نہیں کہ آپ بزدل، کمزور یا ناکارہ آدمی ہیں۔ وہ جرنیل بھی اپنی وردی سمیت رویا اور وہ پروفیسر بھی اور ہمارا بینک منیجر بھی رویا۔ ان کی یہ کیفیات بڑی مختلف اور الگ الگ تھیں اور کبھی آپ خود نہ رو سکیں تو ایک چھوٹے سے پیارے سے بچے کو روتے ہوئے ضرور دیکھا کریں اور اس پر رشک ضرور کیا کریں کہ جس عمل سے یہ گزر رہا ہے، میں نہیں گزرا۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ

مرتبہ: منیر چوہدری

بشکریہ روزنامہ خبریں

مِنَ الظُّلمٰتِ اِلَی النُّور

یہاں تو عجیب عالم ہے کہ مولانا صاحب مزے دار باتیں کرتے کرتے نہ تھکتے ہیں اور نہ تھکاتے ہیں پیچوں پیچ لذت آشنائی کو مقصد حیات ٹھہرادیتے ہیں اس رات قیام کے بعد صبح واپس آگئے۔ اس کے بعد میرا تبادلہ پشاور ہوگیا۔ یہاں خود ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈا تو بات چل نکلی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں منارہ سکول میں اجتماع کی اطلاع پاکر اکیلے چل پڑا۔ یہاں ماحول دیکھ کر تسلی ہوئی تو بیعت ہوگیا۔

سید اعجاز احمد شاہ بخاری

☆.....مظفر گڑھ.....☆

مضمون کا عنوان ''سینما گیلری سے منبر ومحراب تک'' رکھا لیکن جب دیکھا کہ ماہنامہ المرشد نے احباب کیلئے مستقل عنوان قرآنی اپنے صفحات پر سجا رکھا ہے تو فوراً عود کرنا پڑا۔ اس لئے کہ جب قرآن حکیم خود عنوان دے دے تو باقی سب عنوان ختم ہو جاتے ہیں۔ بچپن کی یادیں بڑی عجیب ہوتی ہیں محو کرنا بھی چاہیں تو نہیں ہوتیں۔ یہی وجہ ہے قرآن حکیم کو یاد کرنے کا معجزہ جو بچپن میں رونما ہوتا ہے وہ عمر کے باقی حصہ میں مشکل نظر آتا ہے خیر وہ دیکھیں موسم بہار اپنے جوبن پر ہے۔ حد نگاہ سبزہ کو سمیٹ نہیں سکتی۔ کیا کھیتوں کی ہموار ہریالی اور کیا لوگوں کے دوررس منصوبے تشنہ تکمیل ہیں۔ ایک گھنٹی کی آواز دور سے لگاتار سنائی دیتی ہے۔ گھنٹی بجانے والا کوئی کہنہ مشق انسان ہے جو ذرہ بھر وقفہ نہیں دے رہا۔ جوں جوں فاصلہ سمٹتا جا رہا ہے آواز بڑھتی جارہی ہے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بزرگ نما ہستی گھوڑے پر سوار ساتھ ایک دو اور گھڑ سوار جو قدرے پیچھے چلے آرہے ہیں۔ مزید جانوروں کا ایک ریوڑ قافلے کے تعاقب میں رواں دواں ہے۔ آیا حضور! یہ کون لوگ ہیں بیٹا! یہ ہمارے پیر صاحب ہیں جو ابھی ہمارے گھر آجائیں گے۔ گھر کی حویلی میں ایک بستر سجا ہے بچے بوڑھے عورتیں انتظار میں ہیں ابا

کیا پیر صاحب سے پردہ نہیں کیا جائے گا؟ ہاں پیروں سے پردہ نہیں کیا جاتا

حضور ہماری بستی کے باہر والے راستے پر اونٹ سے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں کہ سادات گھرانے سامنے ہیں۔ کیا پیر صاحب سے پردہ نہیں کیا جائیگا؟ ہاں پیروں سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ پیر صاحب بستر پر رونق افروز ہیں۔ سب لوگ کپڑوں تک بوسہ دینے کو سعادت سمجھ رہے ہیں۔ ہر کوئی اپنی تکلیف بیان کر رہا ہے اور ساتھ بیٹھا ہوا ایک شخص **Ready Made** ریڈی میڈ تعویذ نچھاور کر رہا ہے۔ یہ وہ منظر اور پھر کالج کے ماحول کے اثر نے کسی در پر حاضر ہونے کا نہ چھوڑا۔ پڑھائی کیا اور فاقہ مستی کیا روزگار کے متلاشی پاک فضائیہ میں بھرتی ہوگیا۔ دوران ٹریننگ ایک **A-F** صاحب میرے زبردستی دوست بن گئے دوستی نبھی بڑی خوب نبھی۔ جہاں اکٹھی نمازیں ادا کر لیتے وہاں آوارہ گردی بھی ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ عرصہ بیتا ملازمت کی مجبوری نے جدائی کے فاصلے بڑھا دیئے۔ چند سالوں بعد کراچی پھر اکٹھے ہوگئے۔ کیا دیکھتا ہوں صاحب دوست کا چہرہ سنت نبوی ﷺ سے مذین ہے۔ اسے سابقہ دوستی کا واسطہ دیا کیا خوب رہے گی۔ جب مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ نہیں بھئی راستے جدا جدا دوستی میں وضع قطع کی مماثلت کا بھی کوئی کردار ہوتا ہے بس کبھی کبھی شب جمعہ تبلیغی مرکز چلا جایا کروں گا۔ جمعرات کی شام سرکاری بس مکی مسجد جایا کرتی تھی اس میں جانے کے دو فائدے ہوتے ایک تو مفت کسی بزرگ کی بات پلے باندھنے کو مل جاتی ہے۔ دوسرا واپسی پر **Mess** میں تاخیری کھانا **Late Meal** کا

بندوبست ہوتا۔ جسے اتنا سیر ہو کر کھاتے کہ فجر کا وقت خراٹوں کی نظر ہو جاتا۔ ایک دن حسب معمول بس پر جا رہے تھے کہ دوست صاحب نے راستے میں اتر جانے کا حکم صادر فرمایا کہ آج آپ کو کسی اور جگہ لے جانا ہے کیا دیکھتا ہوں پاک نیوی کا ایک کوارٹر احباب سے بھرا ہوا ہے۔ ایک بزرگ نے طریقہ ذکر بتا کر مشق شروع کر دی میں قدرے دور بیٹھے یہ نظارہ عالم حیرانی میں دیکھتا رہا۔ جونہی دعا ہوئی تو میں نے دوست صاحب سے جلد باہر آنے کو کہا باہر آتے ہی میں نے کہا یار بتاؤ آج کراچی شہر کے کملے کیسے اکٹھے ہو گئے تھے اور دوسری بات مجھے کچھ نہ کرنے کے باوجود قلبی سکون ملا۔ دوست نے راز کو راز رہنے دیا۔ وقت اپنے دھارے پر چلتا رہا۔

ایک دن انہوں نے کہا کہ آج ہمارے حضرت جی (مولانا اللہ یار خان صاحبؒ) کوئٹہ سے تشریف لا رہے ہیں جنہیں حضرت جی کم اور استاد جی زیادہ بولا جا رہا تھا۔ نام سن کر بڑا حیران ہوا کہ مختصر اور سادہ سا نام ہے۔ نام کے ساتھ نہ سابقے نہ لاحقے جبکہ پیروں کے نام لکھنے کو کاغذ کی مکمل سطر چاہیے۔ میں بیعت نہ ہونے کا وعدہ لیکر صرف زیارت کیلئے چل دیا پھر اسی کوارٹر میں احباب انتظار میں تھے۔ تشریف آوری کے بعد حضرت جیؒ وضو وغیرہ کیلئے باتھ روم گئے اور ساتھ آنیوالے قد و قامت میں مکمل ایک ہستی کا تعارف کرایا گیا۔ یہ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب ہیں مولانا صاحب کے اردگرد ہم باتیں سننے کیلئے بیٹھ گئے۔ ہنسی خوشی کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا۔ ایک طرف مولانا صاحب مدظلہ اور دوسرا اسنجیدگی کا کوئی رعب تک نہیں حالانکہ میں علماء کی سنجیدگی سے اتنا خوف زدہ تھا کہ کبھی دینی مسئلہ پوچھنے کی جسارت نہیں کی۔ یہاں تو عجیب عالم ہے کہ مولانا صاحب مزے دار باتیں کرتے کرتے نہ تھکتا ہے اور نہ تھکاتا ہے بیچوں بیچ لذت آشنائی کو مقصد حیات ٹھہرا دیتا ہے رات کے قیام کے بعد صبح واپس آ گئے۔ اس کے بعد میرا تبادلہ پشاور ہو گیا۔ یہاں خود ذکر کرنے والوں کو ڈھونڈا تو بات چل نکلی۔

> **یار بتائو آج کراچی شہر کے کملے کیسے اکٹھے ہو گئے تھے اور دوسری بات مجھے کچھ نہ کرنے کے باوجود قلبی سکون ملا۔**

گرمیوں کی چھٹیوں میں منارہ سکول میں اجتماع کی اطلاع پا کر اکیلے چل پڑا۔ یہاں ماحول دیکھ کر تسلی ہوئی تو بیعت ہو گیا۔ سادہ کھانے کی تو کیا بات سکول کے اونچے نیچے پتھروں پر سونے کا مزہ کچھ اور تھا۔ نماز فجر کے بعد منارہ گاؤں کی مسجد میں لالٹین کی روشنی میں درس قرآن باقاعدگی سے ہوتا تھا ایک دن شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ درس قرآن دے کر نکلے ہی تھے کہ ایک بزرگ ساتھی نے پوچھا حضرت آپ کس دینی درس گاہ کے فارغ التحصیل ہیں مسکراتے ہوئے جواب دیا جہاں آپ آ گئے ہیں میں اس درس گاہ کا طالب علم ہوں اور بس۔

ایک بار حضرت جیؒ تبلیغی دورے کے سلسلے میں کوہاٹ تشریف لائے میرے ساتھ ایک فوجی ڈاکٹر صاحب ہو لئے۔ کوہاٹ علاقہ کے علماء کرام حضرت کے گرداگرد جمع تھے اور آپ ان کے سوالوں کے مفصل جواب ارشاد فرما رہے تھے میرے ساتھ جانے والے ڈاکٹر صاحب کو کیا سوجھی کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بارے میں سوال کر دیا کیونکہ ان دنوں وہ مولانا مودودی صاحب کی کتاب خلافت ملوکیت کا مطالعہ کر رہے تھے حضرت نے جواب دینا شروع کر دیا تو انہیں ندامت کے سوا کچھ نہ ملا باہر آئے تو کہنے لگے کیا کمال کے آدمی ہیں اس عمر میں کتابوں کے حوالہ جات بمعہ صفحہ یاد کرنا محال ہے۔ نیز نہ ہی اتنی بارعب آواز ہوتی ہے حضرت کا جمعہ کا خطاب عسکری مسجد میں تھا اس طرح کا خطاب کبھی سننے کو نہیں ملا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد ملنے والوں کا ہجوم سا لگ گیا۔ اب سالانہ اجتماع منارہ سکول سے دارالعرفان شفٹ۔ تعمیری کام زوروں پر تھا بمشکل ایک دن قیام کے بعد ڈاکٹر صاحب اکتا گئے۔ کہنے لگے واپس جانا چاہیے یہاں تو ہپنا ٹزم وغیرہ کی مشقیں کرائی جاتی ہیں جن کا دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ ایک پروفیسر صاحب سے بات کرائی لیکن تسلی و تشفی نہ ہوئی صبح حضرت شیخ مکرم مدظلہ کا درس قرآن ہوا تو آپ نے ہپنا ٹزم اور مسمریزم ہندوانہ یوگ اور تصوف

اسلامی پر سیر حاصل بحث کی درس کے بعد ڈاکٹر صاحب کہنے لگے میری تو Brain Washing ہوگئی۔ لیکن یہ بتاؤ میری بات ان تک کس نے پہنچائی؟ یہاں جتنا عرصہ رہا جائے کوئی مضائقہ نہیں۔ 1983ء میں میرا تبادلہ میانوالی ہوگیا یہاں یہ پروگرام بنا کر ایک ہفتہ وار چھٹی گھر پر اور ایک یوم چکڑالہ جایا جائے اس معمول پر 1984ء میں ایک دن ایسا بھی آیا کہ حضرت جیؒ کی طبیعت ناساز تھی زبان سے کلام کرنا مشکل تھا اور اشارہ وغیرہ سے بات چیت کر رہے تھے چند ساتھی بغرض علاج پنڈی سے آئے ہوئے تھے آپؒ نے جاتے وقت ہمیں جی بھر کر دیکھا گویا آخری سفر کی نوید تھی۔

1993ء میں سروس سے ریٹائرڈ ہوا ہی تھا کہ ضلعی امیر کی ذمہ داری سونپ دی گئی اتفاق سے ایک مسجد والوں کو جمعہ پڑھانے کیلئے ایک بندہ کی سخت ضرورت تھی بڑے بھائی جو عالم دین ہیں اصرار کیا یہ ڈیوٹی کسی طرح نبھادو! آخر ایم اے اسلامیات ہو میں نے تو ایم اے سروس میں اضافی تنخواہ لینے کیلئے کیا تھا نہ کہ جمعہ نمازوں کیلئے خیر شرم کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تفسیر اسرار التنزیل اٹھا کر منبر ومحراب کو سنبھالنے کا حوصلہ پایا جو آج تک جاری ہے بعد از نماز ذکر اللہ کی مجلس ہوتی ہے اور منتظمین مسجد مطمئن ہیں کہ مفت کی خطابت اور امامت ہاتھ آ گئی ہے۔ 1998ء مظفر گڑھ شہر ہائی سکول گراؤنڈ تنظیم الاخوان کا جلسہ عام منعقد ہوا۔ مجھے شیخ المکرّم مدظلہ کا تعارف کرانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے تعارف سے قبل اور بعد ایک ایک شعر سامعین کی نذر کیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دونوں اشعار حضرت شیخ المکرم کے اپنے کلام سے تھے اگر زندگی ان دو اشعار میں گزر جائے۔ تو انشاءاللہ ضرور سرخروئی مقدر رہے گی۔

میں تو ذرہ میری ذات میں کیا رکھا ہے؟
تیری نسبت سے جو پایا ہے وہ پایا میں نے

ہوں قانون کافر کے مومن کو یہ منظور نہیں
سمجھوتہ ہو ایمانوں پہ یہ کوئی دستور نہیں

اب اس ماہ صیام کے آخری جمعۃ المبارک کو صاحب مجاز کی ذمہ داری دے دی گئی۔ اس سلسلہ

> **ایک بزرگ ساتھی نے پوچھا حضرت آپ کس دینی درس گاہ کے فارغ التحصیل ہیں مسکراتے ہوئے جواب دیا جہاں آپ آگئے ہیں میں اس درس گاہ کا طالب علم ہوں اور بس**

میں جب حضرت مدظلہ کے کمرہ میں حاضری ہوئی تو آپ مدظلہ نے صرف اتنا فرمایا میں انہیں ذاتی طور پر جانتا ہوں میں نے یہ بات اس یقین کے ساتھ سُنی کہ اگر میں کوئی ذات بات بھی پوچھتا تو حضرت ضرور ارشاد فرمادیتے۔

حالانکہ میری حضرت مدظلہ سے کبھی گفتگو نہیں ہوئی بس کیا کہیے!

ایں سعادت بزور بازو نیست

فضائل قرآن

قلب اطہرؐ پہ ہوا نازل جو قرآن کریم
یہ ہے رب العلمین کا ہم پہ احسانِ عظیم
کامل واکمل ملا ہے ہم کو دستور حیات
جو اِسے اپنائے گا پا جائے گا راہِ نجات
جس پہ اُترا وہ ہے صادق لانے والا ہے قوی
ہیں امانت دار دونوں یعنی جبریل و نبیؐ
یہ بظاہر آپؐ کے ہے نام نامہ و پیام
ہے مخاطب ہم سے ہی بالواسطہ رب انام
جو کرے اس کی تلاوت وہ ہے رب سے ہمکلام
بلکہ وہ جانے یہ نامہ ہے خدا کا میرے نام
پہلے نبیوں کی کتابیں گرچہ تھیں برحق سبھی
انکی دعوت اپنی قوموں کیلئے مخصوص تھی
ہوگئی تحریف ان میں ہوگئیں منسوخ وہ
ہے مگر محفوظ قرآن کہ رہے تاحشر جو
اس کلام اللہ کا ہوتا گر پہاڑوں پر نزول
ہیبت رب سے شکستہ ہو کے اڑتی ان کی دھول
یہ امانت جو اٹھائے وہ فقط انسان ہے
عالم وحافظ ہے اور وہ قاری قرآن ہے
جس کے سینے پر ہو کندہ رب کعبہ کا کلام
ایسا انسان ہے جہاں میں قابلِ صد احترام
وہ مکرم ہے بڑا جو عارف رحمان ہے
انبیاء کے بعد اس کی سب سے اونچی شان ہے
یہ اویسی تھا اسی قرآن کا صوتی اثر
کہ دگرگوں ہوگئی تھی جس سے تقدیر عمرؓ

انجینئر عبدالرزاق اویسی، ٹوبہ

کمالِ انسانی

کمال انسانی یہ ھے کہ انسان کا مادی وجود تو دنیا اور کاروبار دنیا کے ساتھ منسلک ھو لیکن اُس کا قلب بارگاہ الٰھی میں حاضر ھو۔اُس کی نگاہ اٹھے تو مرضیات باری کی طرف' زبان ھلے تو صلوۃ والسلام پیش کرے' اعضاء وجوارح کام کریں تواطاعت الٰھی میں کریں اور یہ تب ھوتا ھے جب وہ کیفیت اپنی حیثیت کے مطابق معرفت الٰھی کی نصیب ھو جائے۔

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 03-11-17

بسم اللہ الرحمن الرحیمo

وما خلقت الجنَّ والانس الا

لیعبدُونَoاھل یعرفونo

اللہ کی برحق کتاب نے تخلیق انسانی کا جو مقصد قرار دیا ہے وہ معرفت الٰہی ہے۔معرفت کا معنیٰ ہوتا ہے پہنچاننا' جاننا' سمجھنا۔اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ اللہ کریم جل شانہٗ کے بارے یہ سوال ہمیشہ جواب طلب ہے اللہ کیسا ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ اللہ کون ہے؟۔ بے شمار صفاتی جوابات اس قرآن حکیم میں موجود ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے سب کو پیدا کیا وہ ہر جگہ موجود ہے۔ اللہ وہ ہے جو سب کو رزق دیتا ہے اس ساری کائنات کا خالق ہے جو انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا جو حساب کتاب لے گا۔جس نے جنت دوزخ بنائی۔ یہ سارے جوابات موجود ہیں لیکن یہ سارے مختلف حوالوں سے ہیں اس لئے کہ قرآن حکیم۔ھُدًی لِلنّاس ہے۔اولاد آدم علیہ السلام کی رہنمائی کے لئے ہے۔سب کو بتانے کے لئے ہے۔مومن وکافر سب کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے اور جو بات زبانی بتائی جا سکتی ہے وہ وہی ہے جو قرآن حکیم نے ارشاد فرمائی۔ جو حدیث شریف میں ارشاد فرمائی گئی لیکن کیا علم کے ذرائع صرف حواس خمسہ ہیں۔کیا بات کرکے ہی بات بتائی جا سکتی ہے۔بیان کر کے ہی بتائی جا سکتی ہے یا کوئی اور ذریعہ علم بھی موجود ہے۔

جہاں تک انسان کا تعلق ہے اللہ کریم نے انسان کو ساری مخلوق سے بہت اعلیٰ ذریعہ علم عطا فرمایا ہے۔ باقی مخلوق میں جانوروں میں' حیوانوں میں' انسانوں میں بھی ایک چھٹی حس مشہور ہے ان حواسِ خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حِس ہوتی ہے۔جس کو کوئی نہیں بتاتا' کوئی بیان نہیں کرتا' کوئی نہیں سنتا' کوئی نہیں سمجھاتا' لیکن چیز کو محسوس کرلیا جاتا ہے۔بات کو محسوس کرلیا جاتا ہے اور یہ چھٹی حِس جانوروں میں بھی ہے۔ انسانوں میں بھی ہے لیکن اصل فضلِ انسانی یہ ہے کہ اُسے چھٹی کے علاوہ بھی اللہ کریم نے ایک ایسا ذریعہ علم دیا ہے جس سے وہ جمالِ باری کو دیکھ سکتا ہے۔اُس کی بات سُن سکتا ہے۔اُس سے بات کرسکتا ہے۔سمجھ سکتا ہے ہاں زبان سے سمجھا نہیں سکتا اس لئے کہ اُس نے کسی کی زبان سے سمجھا نہیں ہوتا۔

> **انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ھے فرشتوں سے لیکر جنت ودوزخ تک' زمینوں آسمانوں میں' جھاں کھیں اللہ کی مخلوق ھے وہ ساری اُس کے حکم کی پابند ھے۔**

حضرت مریم علیہا السلام نبی نہیں تھیں لیکن قرآنِ حکیم میں موجود ہے اللہ کریم نے فرمایا ہم نے مریم علیہا السلام سے کہا کہ شہر سے نکل جاؤ۔ کھجور کے درخت کو ہلایئے۔ کھجوریں گریں گی اور کھایئے اور بھی متعدد مقامات پر غیر نبی پر بھی کلامِ الٰہی کے القا کا ثبوت ملتا ہے۔غیر نبی پر جو کلام القا ہوتا ہے وہ وحیِ الٰہی نہیں ہوتا۔امِ موسیٰ

علیہ السلام سے اللہ کریم نے بات کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو صندوقچے میں ڈال کر دریا میں ڈال دو۔ تو بات سُن سکتا ہے۔ بات کر سکتا ہے۔ جمالِ الٰہی سے سیراب ہوتا ہے اس سب کو بیان نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ کسی سے سن کر نہیں سمجھ رہا ہوتا۔ سننے اور دیکھنے سے بالاتر ایک ذریعہ علم ہے جو صرف انسان کے پاس ہے اور جب وہ ذریعہ علم بروئے کار آتا ہے انسان اُسے استعمال کرتا ہے۔ تو پھر اِن سوالوں کے جواب پالیتا ہے کہ اللہ کون ہے؟ کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ ہوتا یہ ہے کہ یہ ذریعہ علم ہمارے ظاہری حواس کے نیچے دب جاتا ہے۔ ہر آدمی کو چھٹی حِس نصیب ہے لیکن ہر آدمی کی چھٹی حِس کام تو نہیں کرتی۔ اس لئے نہیں کرتی کہ یہ جو پانچ حواسِ خمسہ ہیں یہ اُس پر اسقدر مسلط ہو جاتے ہیں اور جس کسی میں یہ ہمت ہو کہ ان کو وہ ایک حد کے اندر رکھ سکے۔ اُس کی چھٹی حِس بھی کام کرتی ہے اور اگر چھٹی حس کو بھی کنٹرول کر پائے تو پھر وہ ذریعہ علم اجاگر ہو جاتا ہے۔ جو محض انسان کے پاس ہے اور جو اس کی تخلیق کا مقصد ہے۔

مفسرین کرام کے مطابق یہاں یعبدون سے مراد ہے تاکہ مجھے پہنچانے مجھے جانے۔ انسان کے علاوہ جتنی مخلوق ہے فرشتوں سے لیکر جنت و دوزخ تک، زمینوں آسمانوں میں، جہاں کہیں اللہ کی مخلوق ہے وہ ساری اس کے حکم کی پابند ہے۔ حکم کی مطیع ہے۔ حکم کی اطاعت کرتی ہے۔ انسان ایک واحد تخلیق ہے جو حاکم کی اطاعت کرتا ہے۔ براہ راست اللہ کو پہچان کر اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے۔ جانتا پہنچانتا نہیں تو بغاوت کر دیتا ہے۔ بات نہیں مانتا، اطاعت نہیں کرتا، اور یہی کچھ آزمائش اس دنیا میں ہے۔

اب یہ ساری محنت تو انسان کے ذمے تھی۔ غرض مند انسان تھا، انسان کے ذمے تھا کہ وہ حیلے حوالے تلاش کرتا کہ کس طرح سے وہ حواس خمسہ کی جو قوت ہے وہ اُسے ایک حد تک محدود کرے۔ اُسے اعتدال میں رکھے۔ پھر اُس کے بعد جو ایک چھٹی حس بیدار ہو جاتی ہے اُسے بھی اُس کی حدود میں رکھے۔ ان سب پر قابو پانے کے بعد اُس ساتویں ذریعہ علم کو جو ایک قلبی کیف ہے۔ آپ جس کی وضاحت لکھ کر، پڑھ کر، بیان کر کے نہیں کر سکتے۔ ایک کیفیت ہے جو قلب پہ وارد ہوتی ہے۔ قلب کی اپنی زبان ہے۔ قلب کا اپنا سننے کا انداز ہے۔ دنیا میں کتنی زبانیں ہیں، لاکھوں زبانیں دنیا میں بولی جاتی ہوں گی، لیکن تمام انسانوں کا قلب ایک ہی زبان بولتا ہے۔ اس کی ایک ہی زبان ہے اور آپ کسی زبان میں بات کریں۔ قلب کو سمجھنے کے لئے اُس کا مفہوم چاہئے اُس تک پہنچ جاتا ہے۔ وہ اخذ کر لیتا ہے۔ آپ دیکھتے نہیں بارگاہ خداوندی میں آپ پنجابی میں دعا مانگ رہے ہیں۔ ایک اردو میں مانگ رہا ہے۔ ایک پشتو میں مانگ رہا ہے۔ ایک انگریزی میں مانگ رہا ہے۔ دنیا کی بے شمار زبانیں ہیں اور ہر ملک کا شہری اپنی زبان کے مطابق، اپنے لہجے میں، اپنی زبان میں دعا مانگ رہا ہے تو وہاں کیا ان حروف کا کوئی اعتبار ہے نہیں، اُس کے قلب کی زبان بھی وہی ہے جو آپ کے قلب کی ہے اور جو کچھ قلوب میں ہے وہ کیف بارگاہ الوہیت میں پہنچ رہا ہے۔ یہی حال برزخ میں کلام کا ہوتا ہے۔ اگر کسی کو نصیب ہو تو دنیا سے جانے والے لوگوں کی سب کی زبان یہ تو نہیں تھی جو ہماری ہے لیکن برزخ میں اُن سے کیسے کلام کی جا سکتی ہے؟ اس لئے کہ برزخ کی زبان قلب کی زبان ہے اور وہ ساری دنیا کی ایک ہے۔ قلب کی یہ کیفیات بیدار کرنا یہ ذمہ داری انسان کی تھی کہ اپنے لئے ایسا ماحول پیدا کرتا۔ ایسے ذرائع اور وسائل پیدا کرتا کہ یہ حصول علم کے ذرائع ہیں ان کی قوت کچھ کم ہوتی، قلبی کیفیات بیدار ہوتیں اور پھر وہ اللہ جل شانہٗ کی معرفت کی طرف بڑھتا۔

حامل وحی الٰہی خاتم النبیین رحمت دو عالم ﷺ اس لئے اعتکاف کرتے تھے کہ خلوت میں سرگوشیاں کرنے کی لذت ہی اپنی ہوتی ہے

لیکن وہ ایسا کریم ہے کہ اُس نے زبردستی اور حکماً ایسے کورس رکھ دیے جو انسان کو یہ نعمت عطا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ غرض مند انسان تھا انسان کو چاہیے تھا کہ وہ ایسے ایسے حیلے حوالے تلاش کرتا جن سے وہ اس نعمت عظمیٰ کو حاصل کر

سکتا۔انسان کے ذمے تھا چونکہ غرض مند انسان تھا اُسے چاہیے تھا کہ ایسے اسباب تلاش کرتا' ایسے کام اختیار کرتا' ایسے مواقع بناتا کہ یہ چیزیں اُسے حاصل ہوتیں لیکن اُس کریم نے اپنی طرف سے انسان پر لازم کر دیا۔ کہ روزانہ کی پانچ دفعہ حضورِ الٰہی میں حاضری' پاک صاف باوضو ہو کر متوجہ الی اللہ ہو۔ساری دنیا سے کٹ کر صرف اللہ کے حضور بات کرنا۔گزارش پیش کرنا' رکوع وسجود کرنا۔پھر سال میں رمضان المبارک کا مہینہ مقرر کر دیا۔ باقی گیارہ مہینے تو حلال حرام کی قید ہے کہ حرام کے نزدیک نہ جاؤ۔حلال چیزیں کھاؤ پیو۔ یہاں حلال پر بھی پابندی لگ گئی۔ یعنی بندہ ایسا بے اختیار ہو جاتا ہے کہ اُس کا سارا پروگرام دستِ قدرت میں چلا جاتا ہے۔اب وہ پانی کا گھونٹ بھی نہیں پی سکتا۔حلال روزی بھی نہیں کھا سکتا۔حکمِ الٰہی کا پابند ہے جب اجازت ہوگی تب کھائے گا۔جب اجازت ہوگی سوئے گا۔جب حکم ہوگا اٹھ جائے گا۔پھر رمضان المبارک کے ساتھ بے شمار رحمتیں وابستہ کر دیں اور ایک دن کا روزہ ایک رات کا قیام زندگی بھر کے گناہوں کی بخشش کا سبب بنا دیا گناہوں کی بخشش کیا ہوتی ہے؟ دوجمع دو نہیں کرتے رہنا چاہئے۔ ہمارے اکثر علماء حضرات اسی میں لگے رہتے ہیں اتنے نفلوں کی اتنی حوریں مل گئیں۔ اتنے نفلوں کے اتنے محل مل گئے۔ یہ محل اور حوریں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں یہ آدمی کے مرتبے کے مطابق ساری نعمتیں اُس کا نصیب ہوتی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ کیفیاتِ قلبی کے اعتبار سے وہ کتنا قربِ الٰہی حاصل کر سکا اب جو جتنا قریب ہوگا اُس کی رہائش اتنی عظیم اور اُس کے لئے انعامات اتنے وسیع ہوں گے۔ آپ سرکاری عہدے داروں کو دیکھ لیں۔اب جو ڈپٹی کمشنر کو نصیب ہے وہ اسسٹنٹ کمشنر کو تو نہیں لیکن اگر کوئی کمشنر بن جاتا ہے تو اُس کے وسائل اُس کی رہائش اُس کی سہولتیں اور ہیں وہ سیکرٹری بن جاتا ہے تو اُن میں اور اضافہ ہو جاتا ہے وزیر بن جاتا

بیت اللہ شریف تجلیاتِ باری کا مہبط ہے اُس کے سامنے کھڑا ہو کر پکارے اے اللہ! میں حاضر ہوں۔

ہے تو اب وہ ڈپٹی کمشنر کی سوچ بھی نہیں سکتا۔جو سہولتیں اُس کے پاس ہیں۔تو یہ سہولتیں اُس عہدے اور مرتبے کے ساتھ ہیں۔اگر تو سجدے بھی کرتا رہا' عبادتیں بھی کرتا رہا' اور دل صاف نہیں ہوا تو اس کا مطلب ہے کوئی مقام تو ملا نہیں حوریں کہاں ملیں گی۔صرف سجدوں کی گنتی مقصود نہیں ہے۔نہ کرنے سے تو کرنا بہر حال بہتر ہے لیکن اگر کیا جائے تو اُس کام کا کم از کم پتہ تو ہو کہ اس کا حاصل کیا ہونا چاہئے؟ اسی طرح صلوٰۃ خمسہ سے آگے رمضان المبارک مقرر کر دیا۔ پھر رمضان المبارک میں بے پناہ رحمتیں لٹائیں' بے پناہ محبتیں' بے پناہ شفقتیں تقسیم کیں اور اُس میں پھر اعتکاف کا عشرہ مقرر کر دیا کہ نماز میں آدمی کائنات سے کٹ کر ایک تکبیر کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ کسی کی بات سننی نہیں' کسی سے بات کرنا نہیں' کسی کو دیکھنا نہیں۔ رمضان میں بھی ذاتی طور پر اللہ کے دستِ قدرت میں ہر بندے کا پروگرام ہوتا ہے کہ کب کھانے کی اجازت ہے؟ کب پینے کی؟ کب سونے کی۔ اعتکاف میں بالکل گھر والوں سے بھی کٹ کر خاندان' بیوی' بچوں سے بھی کٹ کر الگ ایک گوشے میں بیٹھ جاتا ہے۔متوجہ الی اللہ ہو کر اور یہ گنتی کے دس دن ہیں۔اعتکاف اُس بندے کو بیٹھنا چاہئے۔ جسے دس دن کسی قسم کی فکر نہ کرنی ہو۔ اور اگر اعتکاف میں بھی بیٹھ کے صبح شام رقعے لکھتے رہنا ہو کہ فلاں دال بک گئی کہ نہیں' بنولہ خرید لیا کہ نہیں۔ فلاں سے پیسے وصول ہوئے۔ فلاں کو دے دیے کہ نہیں' تو یہ بندہ وقت ضائع کر رہا ہے۔اعتکاف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ زبان بند کر رہے ہیں اور دل دنیا میں ہی رہا اور آپ نے وجود مسجد میں رکھا یہ مقصد نہیں ہے۔مقصد یہ ہے کہ دنیا سے بالکل حواس خمسہ کو منقطع کر لو۔نہ تم کسی کی سن رہے ہو' نہ کسی کو بتا رہے ہو' نہ کسی کو سوچ رہے ہو۔یہ دس دن گویا کان آنکھیں زبان ساتھ ہے ہی نہیں اگر زبان بات کرتی ہے تو اللہ کی کرتی ہے۔کان بات سنتے ہیں تو اللہ کی سنتے ہیں۔آنکھ دیکھتی ہے تو قدرتِ باری کو، صنعتِ باری کو دیکھتی ہے۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔تا کہ وہ کیفیت بیدار ہو' وہ قوت بیدار

ہو جو درون دل ان سب کے نیچے دب گئی تھی۔ اور قرب الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ کی کوئی حد نہیں اُس ذات کو قید نہیں کیا جا سکتا۔ وہ حدود سے بالاتر ہے اس لئے قرب الٰہی کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔

آقائے نامدار ﷺ مخلوق میں بے مثل و بے مثال سب سے اعلیٰ، سب سے برتر ہیں آپ ﷺ اس لئے اعتکاف کرتے تھے کہ خلوت میں سرگوشیاں کرنے کی لذت اپنی ہوتی ہے۔ اعتکاف کے دس دن ایسے ہیں کہ بندہ ہے اور رب العلمین ہے کوئی تیسرا درمیان میں نہیں ہے۔ نہ بندہ کسی تیسرے کو درمیان میں لائے، نہ کسی کو سوچے، نہ کسی کو پوچھے، نہ کسی سے بات کرے۔ اسی طرح عمر میں ایک دفعہ حج فرض کر دیا۔ حج کا مقصد بھی وہی ہے کہ دنیا کا سارا نظام چھوڑ کر دو اَن سلی چادروں میں اپنے آپ کو میدان حشر میں لے جائے۔ گویا ابھی قبر سے اٹھا ہے کفن کی چادریں ہیں اور متوجہ الی اللہ ہو۔ بیت اللہ شریف تجلیات ذاتی کا مہبط ہے اُس کے سامنے کھڑا ہو کر، پکارے اے اللہ میں حاضر ہوں۔ تو یہ سب کچھ کرنے کے بعد اگر ہم پر دنیا ہی غالب رہے تو پھر ایک مشقت ہے جو ہم اٹھا رہے ہیں۔

بعض لوگوں کے بارے حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ یہ جو کام کرتا ہے مثلاً اُس کا روزہ صرف یہ ہے کہ بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔ اسی طرح عبادات بھی محض مشقت بن جاتی ہیں۔ ہر عبادت کی روح یہی ہے کہ کوئی ذرہ، کوئی قطرہ، کوئی کرن، معرفت الٰہی کی نصیب ہو۔ ہر قیام میں، ہر رکوع میں، ہر سجود میں، ہر روزے میں، ہر تراویح میں، ہر قدم پر۔ اور یہ سب کچھ اس طرح کرنا ہے کہ اس عالم آب و گل میں رہنا ہے۔ اس کی اپنی ضرورتیں ہیں۔ اس کے اپنے موسم ہیں۔ گرمیاں، سردیاں ہیں، دوستیاں دشمنیاں ہیں، نفع و نقصان ہے۔ عجیب بات ہے

ہر عبادت کی روح یہی ہے کہ کوئی ذرہ، کوئی قطرہ، کوئی کرن، معرفت الٰہی کی نصیب ہو۔

کہ اس سارے کو بھی کرتے رہنا ہے اور اس کیفیت کو بھی قائم رکھنا ہے اور یہی اس میں مشکل ہے کہ بندہ ایک طرف سرک جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے جدھر زیادہ بوجھ ہے اُدھر ہی سرکے گا۔ چونکہ دنیا تو مادی حواس کے سامنے آجاتی ہے۔ اُس کی لذتیں زبان چکھ لیتی ہے تو کمال انسانی یہ ہے کہ اُس کا مادی وجود تو دنیا اور کاروبار دنیا کے ساتھ منسلک ہو لیکن اُس کا قلب بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو۔ اُس کی نگاہ اٹھے تو مرضیات باری کی طرف، زبان ہلے تو صلوۃ والسلام پیش کرے، اعضاء و جوارح کام کریں تو اطاعت الٰہی میں کریں اور یہ تب ہوتا ہے جب وہ کیفیت اپنی حیثیت کے مطابق معرفت الٰہی کی نصیب ہو جائے۔ اللہ کریم نے آپ پر احسان فرمایا اُس نے رمضان المبارک کی یہ مبارک ساعتیں اور اُس میں اعتکاف کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ کسی لمحے کو ضائع نہ جانے دیجئے۔ دس دن یہ سمجھیں کہ آپ کا دنیا میں کوئی نہیں، کچھ بھی نہیں، ساری فکر چھوڑ دیجئے ہر ایک کا اللہ مالک ہے۔ مال، جان، اولاد سب کا وہ مالک ہے اور اگر زیادہ فکر ہے تو اعتکاف مت بیٹھو یہ فرض تو نہیں ہے سنت ہے۔ جسے کوئی مجبوری ہے، جس کا پیچھے بتائے بغیر چارہ نہیں، جس کے پیچھے بات سنے بغیر بسر نہیں ہوتی جسے کچھ اس قسم کی مجبوری ہے وہ اعتکاف نہ بیٹھے۔ لیکن اگر اعتکاف بیٹھنا ہے تو دس دن نہ آپ کسی کے لئے ہیں اور نہ کوئی آپ کے لئے صرف اللہ ہے اور آپ ہیں اگر اس میں بھی رقعے ہی لکھتے رہے اور ٹیلی فون ہی سنتے رہے اور بھاؤ ہی پوچھتے رہے کہ فلاں کام ہو گیا کہ نہیں ہو گیا تو اس کا مطلب دس دن محض مشقت اور جبری قید ہوگی۔ اعتکاف سے حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ اعتکاف کا مقصد ہے کہ ساری دنیا سے، بیوی بچوں سے، گھر بار سے، مال و دولت ہر چیز سے بندہ کٹ گیا۔ اب دس دن سوائے یاد الٰہی کے، سوائے متوجہ الی اللہ ہونے کے، سوائے اللہ اللہ کرنے کے، سوائے بارگاہ نبوی ﷺ کی حضوری کے اُسے کوئی کام نہیں، اُس کا اور کچھ ہے ہی نہیں اور ان دس دنوں میں کم از کم اتنا تو حاصل کر لے کہ آئندہ رمضان تک یہ کیفیت برقرار رہے۔ باہر جائے تو پتہ چلے کہ یہ بندہ کچھ

اور سا ہو گیا ہے۔ یہ پہلے کچھ اور تھا اب کچھ بدل گیا ہے۔ اگر دس دن کی یہ قید بامشقت کاٹ کر گیا اور پھر وہی مار دھاڑ' وہی چوری چکاری' وہی جھوٹ اور وہی ہیرا پھیری تو اس کا مطلب ہے کہ ویسے ہی دس دن حوالات میں رہا اور پھر آ گیا۔ کردار پر اعتکاف کا رنگ نظر آنا چاہئے۔ افکار پر اس کا رنگ جمنا چاہئے اور یہ تب ہی ہو گا جب یہ دس دن پورے خلوص کے ساتھ اور پوری توجہ کے ساتھ بسر ہوں بس ایک طرف یکسو ہو جاؤ اور پھر دیکھو کہ اس خود فراموشی میں بھی کتنی لذت ہے۔ اس کی اپنی لذتیں ہیں۔ اس کے اپنے انعامات ہیں۔ اس کی اپنی کیفیات ہیں اور ہر بندے کی اپنی کیفیت ہوتی ہے۔

اگر کسی ایک قبر میں پچاس مُردے دفن کر دو۔ اُن میں کوئی کافر ہے' کوئی مومن ہے' کوئی نجات میں ہے کوئی عذاب میں ہے تو سب اپنا اپنا حال بھگتتے رہیں گے۔ ایک کا حال دوسرے پہ غالب نہیں آتا۔ ہر ایک کا اپنا حال ہے یہی حال زندہ انسانوں کا ہے کہ ایک شہر میں لاکھوں لوگ بستے ہیں ہر بندے کی ایک اپنی کیفیت ہے۔ ایک گھر میں بیسیوں لوگ ہوتے ہیں۔ ایک چھت کے نیچے کتنے لوگ ہوتے ہیں لیکن ہر متنفس کا حال اپنا ہے۔ اس طرح ہر بندہ اپنی استعداد' اپنی حیثیت' اپنی طلب' کے مطابق کیفیات پاتا ہے لیکن اُسے خالی تو نہیں ہونا چاہئے۔ اب خالی بھلا اللہ کی بارگاہ سے کوئی کیوں جائے گا؟ اللہ کریم جب عطا فرماتا ہے یہ تو اُس کی شان سے بعید ہے کہ یہاں اگر پانچ سو بندے بیٹھے ہیں تو چار سو پچانوے کو دے دے اور پانچ کو چھوڑ دے وہ ایسا نہیں کرے گا۔

میں ایک دفعہ ایک کتاب ''التعرف فی مقامات اہل تصوف'' دیکھ رہا تھا اُس میں انہوں نے مختلف لوگوں کے، اللہ کے بندوں کی کرامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ایک ولی اللہ کے تبدیل ہونے کا سبب لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بندہ تو کفن چور تھا' نباشی تھا اور ایک خاتون فوت ہو گئی

ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان حواس خمسہ کی قید سے نکل کر' رشتہ داریوں' کاروبار' تجارت' ملازمت' سارے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر پوری طرح متوجہ الی اللہ ہو جائیں

یہ اُس کے جنازے میں تھا۔ یہ کفن چور زبردستی ہر جنازے میں جاتے تھے۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ دیکھ سکیں کہ کفن چرائے جانے کے قابل بھی ہے یا محض قبر کی کھدائی پڑے گی۔ تو رات کو اُن کی قبر میں سوراخ کر کے گھس گیا۔ اللہ نے اُس پر برزخ منکشف کر دی تو اُس نے دیکھا کہ اندر ایک بہت خوبصورت باغ ہے۔ اُس میں ایک شاندار جگہ بنی ہوئی ہے اور ایک بڑی معزز خاتون بیٹھی تلاوت کر رہی ہے۔ تو کفن چور دلیر آدمی تھا' سخت دل تھا اُس کے پاس جا کھڑا ہوا انہوں نے دیکھا تو اُس نے کہا یہ تو وہی خاتون ہے جس کا جنازہ پڑھا تھا اس خاتون نے کہا بھئی تم کہاں پھرتے ہو؟ تمہیں تو اللہ نے بخش دیا اور تم تو اہل جنت میں سے ہو اور تم کفن چراتے پھرتے ہو۔ اُس نے کہا جی میں نے تو زندگی بھر کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ اللہ نے مجھے معاف کر دیا ہو۔ اُس نے کہا تم نے کیا یا نہیں کیا۔ میں جب اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو مجھے اللہ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ جتنے لوگ تیرے جنازے میں تھے میں نے سب کو بخش دیا۔ یہ انعام اور یہ عزت افزائی اللہ نے مجھے دی۔ فرمایا ہم جنازہ پڑھتے ہیں میت کو بخشوانے کے لئے اور بعض میت ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کی بخشش کا سبب بن جاتے ہیں۔ اُس نے کہا جی میں جنازے کی نیت سے نہیں آیا تھا میں تو محض اپنے کام اور کفن دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا اللہ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کون کس نیت سے کھڑا ہے۔ اُس نے تو مجھے کہا کہ جتنے بندے وہاں تھے میں نے سب بخش دیے اُن میں تو بھی تھا اور اُسے ہوش آ گئی برزخ ختم ہو گیا اور اُس نے توبہ کر لی اور صاحب حال صوفی ہوا۔

اللہ جب دیتا ہے تو یہ نہیں کہ یہ ایک کون کھڑا ہے وہ سب کو دیتا ہے۔ اسی طرح بخاری شریف کی ایک حدیث ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو صرف ذکر الٰہی کی محفلوں کو تلاش کرتے رہتے ہیں۔ جن کا کام ہی یہ ہے' جن کی عبادت بھی یہ ہے' اور جن کی غذا بھی یہی ہے کہ وہ دنیا بھر میں پھرتے رہتے ہیں اور جہاں ذکر الٰہی کی محفل ہوتی ہے وہ وہاں جمع ہونا شروع ہو

جاتے ہیں۔ پھر حضور ﷺ فرماتے ہیں آگے والے' پھر پیچھے والے اُن سے اونچا مینار بن جاتا ہے کہ سب اندر دیکھیں۔ واپس بارگاہ الوہیت میں جاتے ہیں تو سوال ہوتا ہے بھئی کیا دیکھ کر آئے؟ یا اللہ تیرے بندے تھے اور تجھے بڑے درد سے اور بڑے خلوص سے یاد کر رہے تھے۔ تو ارشاد ہوتا ہے کہ گواہ رہو میں نے اُن سب کو بخش دیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ! چند لوگ وہاں وہ تھے جو وہاں ذکر کرنے تو نہیں آئے تھے۔ انہیں تو کسی ذاکر سے کوئی کام تھا۔ وہ مصروف تھا اور اُن کو وہاں رُکنا پڑ گیا۔ وہ بھی اُس مجلس میں بیٹھے تھے یہ فارغ ہو تو بات کریں۔ فرمایا جو وہاں موجود تھا میں نے اُسے بخش دیا۔ کس غرض سے آیا تھا یہ الگ بات ہے۔ عطا اُس کی تو یہ ہے لیکن اگر اعتکاف کے بعد بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ نہیں ملا تو اُس کا پھر ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم نے کاسئہ دل کو ہی سیدھا نہیں رکھا۔ دامن دل ہی نہیں پھیلایا۔ ابرِ رحمت برستا ہے اب کوئی اپنا برتن ہی الٹا رکھے تو پھر یہ شکوہ کرے کہ میرے حصے میں تو کچھ نہیں آیا۔ برتن ہی ٹیڑھا ہو تو اُس میں تھوڑا بہت رُکے گا۔ الٹا ہو تو کچھ بھی نہیں آئے گا تو ہمارے ذمے ہے کہ ہم ان حواسِ خمسہ کی قید سے نکل کر' رشتہ داریوں' کاروبار' تجارت' ملازمت' سارے بکھیڑوں سے آزاد ہو کر پوری طرح متوجہ الی اللہ ہو جائیں اور دیکھیں کہ ان تمام حواس کے نیچے سے کوئی خاص چیز نکلتی ہے کہ نہیں کوئی ایسی ارج' کوئی ایسی کیفیت' جو ہمیں یقین دلا دے کہ ہاں یہ اللہ ہے۔ یہ اُس کا جمال ہے۔ اور یہی مقصد تخلیق انسانی ہے یہ اُس کا کرم ہے کہ اُس نے انسان کو گھیر گھار کر زبردستی ایسے مواقع دیے جن میں وہ معرفت الٰہی کو پا سکے۔ اس سے بڑا کرم کیا ہوگا۔ غرض مند تو انسان تھا اُس بے نیاز کو تو کوئی غرض نہیں تھی۔ اب معتکف پہ جو رحمتیں، شفقتیں اور جو مغفرتیں نازل ہوتی ہیں اُن کا کوئی حد وحساب

اس خاتون نے کہا کہ جب میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی تو اللہ کریم نے فرمایا جتنے لوگ تیرے جنازے میں تھے میں نے سب کو بخش دیا

نہیں ہے۔ اُسے جو صرف لیلتہ القدر نصیب ہوتی ہے اُس کا کوئی حساب نہیں ہے۔ تو یہ ساری رحمت اس لئے لٹائی جا رہی ہے کہ ہم اپنی تخلیق کا مقصد حاصل کر سکیں۔ اللہ کریم ہماری کوتاہیوں، لغزشوں، خطاؤں کو معاف کر کے ہمیں صحیح سمجھ اور توفیق عمل عطا فرمائے اور ہماری ان ٹوٹی پھوٹی اور نالائق کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ذکر الٰہی شیطان سے بچاؤ

حضرت ابن عباسؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان' انسان کے قلب پر نظر جمائے گھات میں بیٹھا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرے وہ دور ہٹ جاتا ہے۔ اور جب یاد الٰہی سے غافل ہو آگے بڑھ کر اس کے قلب میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔ انسان کے لئے شیطان کے دشمن ہونے میں صرف اس شخص کو شکست ہو سکتا ہے جو ومن اصدق من اللّٰہ قیلا پر یقین نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت انسان کو ایک بار نہیں کئی بار بتائی کہیں فرمایا۔ کہ وہ تمہارا دشمن ہے کہیں فرمایا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے کہیں اس کے ساتھ برتاؤ کرنے کے ہدایت فرمائی کہ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا۔ یعنی تم اس کے ساتھ وہی برتاؤ کرو۔ جو انسان اپنے دشمن کے ساتھ کیا کرتا ہے اب انسان کا عمل دو قسم کا ہو سکتا ہے یا تو اپنی حفاظت کا اہتمام کرے۔ تا کہ انسان شرف سے محروم نہ ہو یا اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے اور اسفل السافلین بن جائے۔ حفاظت کی تدبیر اللہ نے بتا دی کہ میرا ذکر ایک ایسا محفوظ قلعہ ہے۔ جہاں شیطان کی رسائی نہیں ہو سکتی اس کے مقابلے میں ذکر الٰہی سے غفلت گویا شیطان کے نام دعوت نامہ بھیجنا ہے۔ غفلت کا شکار انسان یوں لگتا ہے جیسے مسلسل پکار رہا ہو۔ آ بیل مجھے مار، انتخاب کرنا انسان کا اپنا کام ہے چاہئے تو اپنی حفاظت کر لے۔ چاہے تو دشمن کی گود میں چلا جائے۔

اقتباس۔ چراغ مصطفوی

مراسلات

☆......محمد رفیق......پیر محل

انہوں نے ممبر شپ ہونے کے باوجود رسالہ نہ ملنے کی شکایت کی ہے آپکا خط لاہور آفس میں پہنچا دیا گیا ہے۔

خدمت مرکز......سوات

انہوں نے لکھا ہے کہ ماہنامہ المرشد ایک ایسا نمائندہ شمارہ ہے جو معاشرے کے تمام طبقے میں شعور کی آگاہی کیلئے کام کر رہا ہے۔ نوجوان نسل اس سے خوب فائدہ اٹھا رہی ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ اعزازی المرشد کا شمارہ جاری کر دیں۔

() آپ کا خط زیر غور ہے۔ انشاء اللہ ہم اپ کو اعزازی رسالہ بھیجنے کی کوشش کریں گے

☆......محمد یوسف......سرگودھا

ہمارے سلسلے اور تنظیم کا ترجمان المرشد جنوری 2004ء مجلّہ ادبی محاسن اور طباعتی رعنائیوں سے مزین ملا۔ مضامین، نظم و نثر، انتخاب کے لحاظ سے لائق صد تحسین اور قابل صد آفرین ہے۔ دعوت الی اللہ مضمون سے دیرینہ حسرت کی بھر آئی اور خوب ایمان تازہ ہوا۔

() جناب یوسف صاحب آپ کی طرف سے ملنے والے خط سے ہمارے حوصلوں کو مزید تقویت ملی ہے۔ الحمدللہ ہم تو المرشد کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوشاں ہیں۔

☆عبدالرؤف اویسی......لاہور

انہوں نے فروری میں اپنی شائع ہونے والی نظم پر شکریہ کا اظہار کیا ہے اور ذکر کیلئے حکم قران کے موضوع پر نظم ارسال کی ہے۔

() محترم آپ کی نظم باری آنے پر شائع کی جائے گی۔

☆......انجینئر عبدالرزاق اویسی......ٹوبہ

انہوں نے فضائل قرآن پر ایک نظم ارسال کی ہے۔

() آپ کی نظم شمارے میں شامل اشاعت ہے۔ ☆☆☆☆

پتہ نہیں کیوں جی گھبراتا ہے

پتہ نہیں کیوں جی گھبراتا ہے
امریکہ بہادر یوں دندناتا ہے
دل میں اک ہل چل سی مچلتی ہے
پتہ نہیں کب یہ آگ بھڑکتی ہے
ہمارے اپنوں نے بھی کی بے وفائی ہم سے
غیروں نے تو کرنا ہی تھا دغا ہم سے
ان کا دعویٰ ہے کہ "لبرل ازم" ہے وقت کی ضرورت
ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ہے سیدھی منافقت
وہ "بنیاد پرستی" کو جڑ سے اکھاڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں
وہ ہم کو مٹانا چاہتا ہے یوں..........!
اتنا دم کہاں ہے کسی میں مگر..........!
دعا ہے کہ خدا ہم کو وہ نظر دے
جو ظالموں سے ظلم کا حساب لے

سردار عبداللہ نذیر ضلع پونچھ آزاد کشمیر

دار العرفان منارہ میں جن احباب کی طرف سے قربانی دی گئی

محمد ایوب، برطانیہ	1
سائقہ کوثر، برطانیہ	1
سلیمان، برطانیہ	2
ایاز محمد، برطانیہ	1
محمود خان، برطانیہ	1
جہانگیر حسین، برطانیہ	1
ثریا بی بی، برطانیہ	1
ممتاز ریاض، برطانیہ	1
ضمیر اعوان، برطانیہ	1
ملک احمد نواز دار العرفان	2
عتیق الرحمٰن برطانیہ	1
شمعون برطانیہ	1
میجر مظہر لاہور	4
رضا گیلانی امریکہ	1
احمد گیلانی	1

اقبال انصاری مرحوم کی ایک قربانی دار العرفان کی طرف سے دی گئی ہے۔

دعائے مغفرت

☆......محمد اشرف (عبدالحکیم) کے والد محترم قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......مستری بشیر احمد (سیالکوٹ) کی بہو قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد ساجد (لاہور) کے چھوٹے بھائی قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......فتح محمد عاصی (ٹوبہ ٹیک سنگھ) کی اہلیہ محترمہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محمد بوٹا سپیشل کلاس کے والد محترم ناظر حسین (فیصل آباد) قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......اٹک جماعت کے پرانے ساتھی اور تنظیم الاخوان کے نائب صدر کی زوجہ صاحبہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گئیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد اشرف ثاقب (اسلام آباد) کی زوجہ صاحبہ انتقال کر گئی ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اقبال (گکھڑ منڈی گوجرانوالہ) کار حادثہ میں فوت ہو گئے۔ ان سب کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......حسن محمد (بہاولپور) کے صاحبزادے فیصل حسن اولڈ صقارین قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد ظفر آصف (مظفر گڑھ) کے والد محترم قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......چوہدری منیر احمد (عبدالحکیم) کے والد محترم چوہدری محمد حسین انتقال کر گئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔